ہر ماہر بنکار کی اہم ضرورت

بلا سود بینکاری

کا شرعی طریق کار



علامہ مولانا شاہ محمد احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

بلاسُود بینکاری
کا
شرعی طریقِ کار

از

امام اہلسنّت، مُجدّدِ دین و ملّت
مولانا الشاہ محمّد احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ

مقدمہ

شرف اہلِ سُنّت
علّامہ محمّد عبدالحکیم شرف قادری

نُوری کُتب خانہ
نزد جامع مسجد نوری
بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

امام اہلسنت قامع بدعت ناصر ملت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ
جناب مولانا مولوی مفتی احمد رضا خاں صاحب نے جو مکہ معظمہ میں
چار رسالے تصنیف فرمائے ہیں کا تیسرا رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی

کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِمْ فِیْ اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمْ

۱۳ ۲۴ ھ

مع ترجمہ مسمّٰی بنام تاریخی

نوٹ کے متعلق سب مسائل

۱۳ ۲۹ ھ

اس رسالہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے سود چھوٹ جائے۔ اس میں وہ شرعی صورتیں
بتائی ہیں کہ نقع خاطر خواہ بے وقت لو۔ اور سود نہ ہو۔ بڑا بدنصیب ہوگا وہ جو اس کے
بعد بھی سود لینے کا نام لے۔ آخر میں رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی

کَاسِرُ السَّفِیْہِ الْوَاھِمْ فِیْ اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمْ

۱۳ ۲۹ ھ

کا ترجمہ مسمّٰی بنام تاریخی

اس میں مولوی گنگوہی معہ جناب مولوی لکھنوی صاحب کے فتوں کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔

اَلذَّیْلُ الْمَنْشُوْطُ لِرِسَالَۃِ السَّوْطِ

۱۳ ۲۹ ھ

باہتمام سید محمد معصوم شاہ صاحب حنفی قادری نوری مہتمم

نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور چھپ کر شائع ہوا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

2004

ناشر : نوری کتب خانہ، لاہور
طابع : موٹروے پرنٹرز، لاہور

قیمت 84 روپے

تقسیم کار

نوری کتب خانہ
معصوم شاہ روڈ بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
فون: 042-6366385

نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
فون: 042-7112917

فہرست مضامین

۱۔ تمہید کتاب اور مکہ معظمہ میں اسکی تالیف کا سبب ۱۲

آغاز رسالہ کفل الفقیہ ۱۸

۲۔ حقیقت نوٹ کا بیان اور یہ کہ وہ خود مال ہے۔ نہ کہ مال کا تمسک ہے.... ۲۱

۳۔ کلام ائمہ میں نوٹ کا جزئیہ.... ۲۲

۴۔ نوٹ کی بھاتی قیموں کا بیان.... ۲۵

۵۔ مال چار قسم ہے اور اس میں فقہی مباحث ۲۸

۶۔ مسئلہ نمبر۱نوٹ مال ہے... ۳۳

۷۔ مسئلہ نمبر۲نوٹ پر زکوۃ ہے... ۳۳

۸۔ مسئلہ نمبر۳نوٹ مہر ہو سکتا ہے..... ۳۴

۹۔ مسئلہ نمبر۴نوٹ کی چوری پر حاکم اسلام ہاتھ کاٹے گا..... ۳۴

۱۰۔ مسئلہ نمبر۵نوٹ کا تاوان نوٹ دیا جائیگا ۳۴

۱۱۔ مسئلہ نمبر۶نوٹ دلھوں سے بیچنا جائز ہے ۳۵

۱۲۔ فقہی عمدہ مباحث و مسائل و تنقیحات ۳۶

۱۳۔ مسئلہ نمبر۷نوٹ کو متاع سے بدلنا بیع مطلق ہے..... ۴۹

۱۴۔ مسئلہ نمبر۸نوٹ قرض دینا جائز ہے۔ اور بدلے میں نوٹ ملیگا.... ۵۰

۱۵۔ مسئلہ نمبر۹روپوں کے بدلے نوٹ قرضوں بیچنا جائز ہے.... ۵۰

۱۶۔ اس مسئلہ کی تحقیق کی پیسوں اور روپوں میں اودھار مبادلہ ہو۔ تم صرف ایک طرف کا قبضہ ہو جانا شرط ہے..... ۵۲

۱۷۔ اس پر عمدہ مباحث فقہی..... ۵۴

۱۸۔ مسئلہ نمبر۱۰نوٹ میں بدنی جائز ہے.. ۶۶

۱۹۔ پیسوں میں بدنی جائز ہونے کی تحقیق... ۶۶

۲۰۔ مسئلہ نمبر۱۱نوٹ کم زیادہ کو بیچنا جائز ہے ۷۱

۲۱۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی پر چار رو ۷۱

۲۲۔ مالیت میں کمی بیشی جائز ہے.... ۷۳

۲۳۔ عمدہ فقہی مباحث و مسائل..... ۷۳

۲۴۔ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا جائز ہے ۷۵

۲۵۔ جن چیزوں میں کمی بیشی سے سود ہو جاتا ہے ان میں کم کی طرف کوئی ذرا سی مالیت والی شے ملا کر بیچنا روا ہے..... ۷۶

۲۶۔ فقہ میں کراہت کے کیا کیا معنی ہیں.. ۸۲

۲۷۔ اس پر دس دلیلیں کہ تھوڑی قیمت کا مال بہت قیمتی مال سے بخوشی بدلنا جائز ہے.. ۸۴

۲۸۔ سود سے بچنے کے طریقے کہ خاطر خواہ زیادہ

Marfat.com

لین اور سود نہ ہو..... ۸۶

۲۹۔ بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے.... ۹۰

۳۰۔ افضل ذریعہ معاش کیا ہے..... ۹۳

۳۱۔ مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے۔ اور مکروہ تنزیہی اصلاً گناہ نہیں.... ۹۸

۳۲۔ ایک پیسہ سو پیسوں کو بیچنا جائز ہے جبکہ دونوں طرف سے پیسے متعین ہوں... ۹۹

۳۳۔ مسلمان کے چھ حق واجب ہیں... ۱۰۳

۳۴۔ مولوی لکھنؤی پر پانچواں رد..... ۱۰۸

۳۵۔ مولوی لکھنؤ پر سات رد..... ۱۰۸

۳۶۔ مولوی لکھنؤی کے سب میں بڑے وہم کا رد ۱۱۱

۳۷۔ مختلف نقد جب مالیت اور چلن میں برابر ہوں۔ تو لین دین میں سب یکساں سمجھے جائیں گے..... ۱۱۲

۳۸۔ مولوی لکھنؤی پر چودھواں رد۔ اور یہ کہ جو بات انہوں نے اختیار کی۔ ۱۱۲

۳۹۔ مولوی لکھنؤی پر پندرھوں رد..... ۱۱۸

۴۰۔ مسئلہ ۱۲ دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر بیچنا جائز ہے..... ۱۱۹

۴۱۔ قرضدار اگر دیتے وقت زیادہ دے تو کیا حکم ہے..... ۱۲۰

۴۲۔ قرض خواہ سے جو قرض اپنے اوپر آتا ہے خریدنے کے مسائل ۱۲۱

۴۳۔ دفع ربا کے لئے حیلہ شرعیہ جائز ہے..... ۱۲۲

۴۴۔ قرآن وحدیث سے ایسے حیلوں کا جواز ۱۲۴

۴۵۔ فتویٰ جناب مولینا ارشاد حسین صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۸

رسالہ کا سرا السفیہ

۴۶۔ گنگوہی سفاہتوں کے اٹھارہ رد..... ۱۳۲

۴۷۔ جناب مولوی لکھنؤی صاحب کے فتوے پر ایک سو بیس اعتراض..... ۱۳۲

۴۸۔ علمائے مکہ معظمہ کا اس رسالہ کی عظیم قدر فرمانا ۱۷۲

Marfat.com

پیشِ لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ بلند پایہ کتاب، یگانۂ روزگار عالم، شیخ الاسلام، حامیٔ سنّت اور قاطعِ بدعت حضرت علّامہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہٗ کی تصنیف ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ کا تعلق قندھار (افغانستان) سے تھا۔ پھر آپ کے آباء و اجداد ہندوستان کی طرف منتقل ہو کر بریلی میں مقیم ہو گئے۔

شیخ ابوالحسن علی الندوی کے والد ماجد علّامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

"شیخ عالم مفتی احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی افغانی، حنفی، بریلوی جو عبدالمصطفٰی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ میں بریلی کے مقام پر پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد سے حصولِ علم میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ علم میں کمال حاصل کیا اور بہت سے فنون بالخصوص فقہ اور اصولِ فقہ میں اپنے دور کے علماء پر برتری حاصل کی۔ ۱۲۸۶ھ میں آپ تحصیلِ علم سے فارغ ہو گئے۔ [1]

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام العارفین قدوۃ السالکین سید آل رسول حسینی مارہروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت و خلافت حاصل کیا اور تمام سلاسلِ تصوف اور حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اجازت عامہ سے مشرف ہوئے۔ آپ نے صرف ایک ماہ (رمضان المبارک) میں مکمّل قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

امامِ اہلسنّت نے ۱۲۹۶ھ میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ حرمین طیّبین کی زیارت کے ساتھ ساتھ وہاں کے مقتدر علماء کرام مثلاً علامہ سید احمد زینی دحلان شافعی مکی، شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی احناف مکہ مکرمہ اور شیخ حسین بن صالح سے سندِ حدیث حاصل کی

دوبارہ ۱۳۲۳ھ میں آپ کو زیارتِ حرمین طیّبین کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر علماء حجاز نے آپ کے اعزاز و اکرام کی خاطر دیدہ و دل فرشِ راہ کیے اور علوم و معارف میں آپ کو عظیم المرتبت پاتے ہوئے

---

[1] عبدالحی لکھنوی، مؤرخ، نزہۃ الخواطر، ج ۸ : ص ۴۲، حیدرآباد دکن۔

Marfat.com

آپ سے حدیث وطریقت کی سندیں حاصل کیں۔

مدینہ منورہ کے علماء کی طرف سے آپ کو جو پذیرائی اور عزت حاصل ہوئی اس کا نقشہ شیخ محمد کریم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے مکتوب سے مترشح ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

"میں کئی سالوں سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہوں۔ یہاں ہندوستان سے ہزاروں علماء آتے ہیں جن میں نہایت متقی اور پرہیزگار لوگ بھی ہیں۔ میں انہیں شہر کی گلیوں میں پھرتا ہوا دیکھتا ہوں لیکن کوئی بھی شہری ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جبکہ جلیل القدر علماء کو آپ کی طرف لپکتے اور آپ کی عزت افزائی میں جلدی کرتا دیکھتا ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔"

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ نے جو کتب فی البدیہہ تحریر فرمائی ہیں ان میں سے ایک "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" ہے۔ یہ عظیم الشان کتاب ہے جس سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وسیع علم کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا۔

یہ کتاب ہندوستان اور پاکستان میں بارہا چھپ چکی ہے اور اب مجاہدِ اسلام فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حسین حلمی حفظہ اللہ تعالیٰ کی کوشش سے ترکی میں بھی شائع ہوگئی ہے۔

آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں جن میں سے بارہ جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ، ایک نہایت ہی مفید اور اہم تصنیف ہے جسے حوالہ جات، اردو ترجمہ، اور جدید ترتیب کے ساتھ "رضا فاؤنڈیشن لاہور" کے زیرِ اہتمام چھاپا جا رہا ہے۔

آپ نے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی "ردالمحتار" پر حاشیہ بھی رقم فرمایا جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ نیز آپ کا ترجمۂ قرآن "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" اردو تراجم میں نہایت عمدہ اور صحیح ترجمہ ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ ایک عرصہ تک مسندِ تدریس پر فائز رہے اس کے بعد تحقیقات اور فتویٰ نویسی میں عمر بسر کی۔ آپ نے بعض سیاسی اور مذہبی لوگوں کو راہِ حق سے انحراف اور احکامِ اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے دیکھا تو اُن کا بھی تعاقب فرمایا۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں علم و دانش اور زہد و تقویٰ کا یہ عظیم پیکر فانی دنیا سے کوچ

کر کے اپنے خالق حقیقی سے واصل ہوا۔ آپ کا وصال بریلی شریف میں ہوا اور وہیں آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔

کفل الفقیہ الفاہم

یہ مبارک رسالہ، جو ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں، اسے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے ۱۳۲۴ھ میں مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ایک دن اور کچھ گھنٹوں میں تحریر فرما کر تاریخی نام "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" سے موسوم فرمایا۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ حنفی امام شیخ عبد اللہ میرداد بن شیخ الخطباء شیخ احمد ابو الخیر رحمہما اللہ تعالیٰ ۱۳۲۴ھ نے کرنسی نوٹ سے متعلق بارہ سوالات آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ اُس وقت وہاں نوٹ ایک نئی چیز تھی اور فقہائے کرام اس سے متعلق احکام کے بارے میں حیران و پریشان تھے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے ان سوالوں کے جوابات دے کر مسئلہ واضح فرمایا۔ وہ سوالات مع جوابات (اجمالاً) درج ذیل ہیں۔

سوال ۱ : کیا نوٹ، مال ہے یا رسید؟

جواب : نوٹ، قیمتی مال ہے رسید نہیں فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک کاغذ ہزار (روپے مثلاً) کے بدلے بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ نوٹ کی ایجاد سے پہلے اس کے بارے میں ایک جزئیہ ہے۔

سوال ۲ : اگر یہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب : ہاں! شرائطِ زکوٰۃ پائے جانے پر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ یہ ذاتی طور پر مال متقوم ہے۔

سوال ۳ : کیا اسے مہر میں دینا صحیح ہے؟

جواب : ہاں! اسے مہر میں مقرر کرنا (اور دینا) صحیح ہے جبکہ عقد کے وقت اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو۔

سوال ۴ : اگر اسے محفوظ جگہ سے چوری کر لیا جائے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا؟

جواب : ہاں! اگر (ہاتھ کاٹنے کی) شرائط پائی جائیں تو واجب ہوگا۔

سوال ۵ : کیا اسے ضائع کرنے کی صورت میں اس کے بدلے تاوان ہوگا؟

جواب : ہاں! اسے ہلاک کرنے کی صورت میں اس کی مثل کے ساتھ تاوان واجب ہوگا اور ہلاک کرنے

والے کو درہموں کی صورت میں تاوان ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

سوال ۶ : کیا اسے درہموں، دیناروں اور پیسوں کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟

جواب : ہاں! جائز ہے جیسے عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے۔

سوال ۷ : اگر اسے کپڑوں کے بدلے لیا جائے تو بیع مقایضہ ہوگی یا مطلق بیع؟

جواب : یہ اصطلاحی ثمن ہے لہذا کپڑوں کے بدلے اسے لینا بیع مقایضہ نہیں بلکہ مطلق بیع ہوگی۔

سوال ۸ : کیا اسے قرض میں دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو اس کے مثل کے ساتھ ادائیگی ہوگی یا درہم کے ساتھ؟

جواب : ہاں! اسے بطور قرض دینا جائز ہے اور ادائیگی صرف اس کی مثل سے ہوگی۔

سوال ۹ : کیا اسے بطور اُدھار مقررہ مدت تک درہموں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

جواب : ہاں! جائز ہے بشرطیکہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تاکہ دَین کے بدلے دَین نہ ہو۔

سوال ۱۰ : کیا اس میں بیع سلم جائز ہے مثلاً ایسے نوٹ کے بدلے جس کی نوع اور صفت معلوم ہو ایک مہینہ پیشگی درہم دینا؟

جواب : ہاں! نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔

سوال ۱۱ : نوٹ میں لکھی ہوئی روپوں کی تعداد سے زائد کے بدلے میں اس کی بیع جائز ہے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس روپے یا اس سے کم کے ساتھ بیچنا کیسا ہے؟

جواب : ہاں! اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ جس طرح دونوں فریق راضی ہوں سودا کرنا جائز ہے۔

سوال ۱۲ : اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے کہ جب زید، عمرو سے دس روپے بطور قرض لینا چاہے تو عمرو کہے میرے پاس درہم نہیں البتہ میں دس کا نوٹ تم پر بارہ روپے میں بیچتا ہوں تم ہر مہینے ایک روپیہ ادا کرتے رہنا؟ کیا اسے سود کا ایک حیلہ سمجھتے ہوئے اس سے روکا نہیں جائے گا۔ اور اگر روکا نہ جائے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام، حالانکہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے یعنی زائد مال حاصل کرنا؟

جواب : ہاں! جائز ہے اگر واقعی سودے کی نیت کرے قرض کی نہیں۔ اگر قرض ہوگا تو حرام اور سود ہوگا کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جس کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

رسالہ میں بحث کے دوران آپ نے کچھ ایسی تحقیقات پیش کیں جن سے مکہ مکرمہ کے قارئین کرام بیحد مسرور ہوئے حالانکہ آپ اس وقت حالتِ سفر میں تھے۔ آپ نے صاحب ہدایہ، امام ابن ہمام اور علامہ زاہدی صاحب قنیہ پر کچھ سوال کئے اور آپ نے اپنی تصنیفات میں اکثر یہ طریقہ اختیار کیا لیکن آپ علمائے امت کے ادب واحترام کے پیش نظر اسے "تطفل" سے تعبیر فرماتے ہیں۔

آپ نے جب بحث مکمل کرلی تو مکہ مکرمہ کے جلیل القدر علماء کرام مثلاً شیخ الائمہ والخطباء علامہ احمد ابوالخیر میرداد حنفی سابق مفتی وقاضی شیخ صالح کمال حنفی، حافظ کتب حرم الفاضل سید اسماعیل خلیل حنفی اور مفتی احناف عبداللہ صدیق رحمہم اللہ نے اسے سُنا اور اس کی تحسین فرماتے ہوئے اسے نقل کرلیا بعد میں مفتی احناف عبداللہ صدیق رحمہ اللہ نے جب اس عظیم الشان کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" کو مکتبہ حرم میں دیکھا تو مطالعہ کرنے کے بعد اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بطور تعجب فرمایا "شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر سے یہ بیان کہاں مخفی رہ گیا۔ علامہ جمال بن عبداللہ مکہ مکرمہ میں مفتی احناف تھے اور فقہ وحدیث کی سند میں امام احمد رضا بریلوی کے دادا استاذ تھے قبل ازیں جب اُن سے احکام نوٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دینے سے توقف کیا اور فرمایا "علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے"۔ عبداللہ صدیق نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا اور جب ان کو بتایا گیا کہ اس کتاب کے مصنف یہاں موجود ہیں تو انہوں نے ملاقات کی، گرم جوشی سے استقبال کیا اور دونوں شخصیتوں کے درمیان علمی مذاکرہ ہوا۔ [1]

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم عمومی شیخ ابوالحسن علی الندوی کہتے ہیں :

"انہوں (امام احمد رضا بریلوی) نے بعض فقہی اور کلامی مسائل میں علماء حجاز سے گفتگو کی اور حرمین شریفین میں قیام کے دوران بعض رسائل لکھے، اور علماء حرمین کے سامنے پیش کئے جانے والے بعض مسائل کے جوابات دیئے۔ چنانچہ وہ آپ کی وسعتِ علمی، فقہی متون اور اختلافی مسائل سے واقفیت، سرعت تحریر اور ذہانت سے بہت متعجب ہوئے"[2]

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام، الذیل المنوط : ص ۶۷—۱۶۶

[2] ابوالحسن علی ندوی، نزہۃ الخواطر : ج ۸، ص ۴۴

Marfat.com

وہ مزید لکھتے ہیں :

" فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر اطلاع کے حوالے سے آپ نادرِ روزگار تھے۔ آپ کا مجموعہ فتاویٰ اور کفل الفقیہ الفاہم جسے آپ نے مکہ مکرمہ میں مرتب کیا اس بات پر شاہد ہیں۔" [1]

اسلامی نظام کے نفاذ اور اقتصادی نظام، نیز بینکوں کو سود سے پاک کرنے کے لئے اس کتاب کی ضرورت اظہر من الشمس ہے

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ کے تمام سوالوں کی بنیاد یہی سوال ہے جب اس کاغذ (نوٹ) کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو تمام احکام کسی اشتباہ کے بغیر واضح ہو جائیں گے۔ آپ نے ان لوگوں کا رد فرمایا جو اسے چیک کی طرح رسید قرار دیتے ہیں۔

جب آپ وطن لوٹے تو معلوم ہوا کہ مشائخِ دیوبند میں سے رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا ہے کہ نوٹ، چیک ہیں۔ انہیں ان کی مثل کے ساتھ بھی نہیں بیچا جا سکتا چہ جائیکہ کم یا زیادہ رقم کے ساتھ سودا کیا جائے۔ آپ نے اپنی کتاب جس کا تاریخی نام " الذیل المنوط لرسالۃ النوط" ہے، میں اٹھارہ وجوہ سے اُن کا رد کیا۔

مشہور عالم دین علامہ عبدالحی لکھنوی جنہوں نے موطا امام محمد کی شرح " التعلیق الممجد" کے نام سے لکھی ہے، نے فتویٰ دیا کہ نوٹ کو اس سے کم یا زیادہ رقم کے بدلے نہیں بیچا جا سکتا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے گیارھویں سوال کے جواب میں پندرہ وجوہ سے ان کا رد کیا۔ حالانکہ اس وقت آپ کے پاس کوئی فتاویٰ نہ تھا۔ واپسی پر آپ علامہ عبدالحی لکھنوی کے فتویٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور بیس وجوہ سے اس پر تنقید فرمائی۔ اگر کوئی کہے کہ آپ نے کس بنیاد پر نوٹ کی مالیت سے کم یا زیادہ رقم کے ساتھ اس کی بیع کو جائز قرار دیا۔ حالانکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے اس بات کا بھی جواب دیا ہے۔ اور یوں فرماتے ہیں :

---

[1] ابوالحسن علی الندوی، علامہ، نزہۃ الخواطر ج ۸ : ص ۴۲

Marfat.com

"امام محمد رحمہ اللہ کی طرح جن لوگوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے تو اس کی وجہ یہ تھی جیسا کہ فتح القدیر، ایضاح اور محیط کے حوالے سے گزر چکا کہ لوگ اس کے عادی ہو کر ممنوعات میں نہ پڑ جائیں۔ اور ہمارے زمانے میں معاملہ اُلٹ ہو گیا ہے۔ اہل ہند میں سُود کھُلم کھُلا رواج پا گیا ہے۔ وہ اس میں کچھ بھی شرم نہیں کرتے گویا وہ اسے عیب اور باعثِ شرم نہیں سمجھتے تو جو شخص ان کو اس عظیم مصیبت اور کبیرہ گناہ سے بعض جائز حیلوں مثلاً دس کے نوٹ کی بارہ روپے کے ساتھ بیع کو جائز قرار دے کہ وہ یہ رقم قسطوں میں ادا کرے یا اس طرح کی کوئی دوسری صورت جیسے امام فقیہ النفس قاضی خان کی طرف سے بیان ہو چکا ہے تو بلاشبہہ وہ شخص مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور دین تو تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام ہے۔ وللہ الحمد۔

پس جب لوگ سُنیں گے کہ حرام سے بچتے ہوئے مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو وہ توبہ کیوں نہیں کریں گے۔ وہ اسلام اور شریعت کے مخالف تو نہیں ہیں۔" [1]

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ کتاب بزبان عربی مکہ معظمہ میں تصنیف کی، ان کے فرزندِ اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے عربی میں اس کا تعارف لکھا اور واپس آکر اردو میں ترجمہ کیا۔

اس سے قبل یہ رسالہ مبارکہ "کفل الفقیہ" نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور کے اہتمام میں شائع ہوا تھا۔ اب فقیر کی تحریک پر دوبارہ پیرزادہ سید محمد عثمان نوری نے اس کی اشاعت ثانی کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ جل مجدہ ان کے والد گرامی پیر سید محمد حسن شاہ صاحب گیلانی نوری اور ان کو مزید ہمت دے کہ یہ اپنے بزرگوں کے اس فیضان کو جاری و ساری رکھیں۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

[1] امام احمد رضا بریلوی : امام، کفل الفقیہ الفاہم : نوری کتب خانہ لاہور، ص ۱۸-۱۱۷

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

احمد الحمید المحمود حمد حامل احمد ہ
واصلی واسلم علیٰ احمد محمد اسمہ احمد ہ
وبعد فلما توجہ للمسیر کالبدر المنیر
من حضیض الھند الیٰ اوج حجّ اقر
القریٰ وزیارۃ حرم الحبیب المصطفیٰ
المرتجیٰ المرتضیٰ المجتبیٰ علیہ افضل التحیۃ
والثناء مرّۃ اخریٰ فی العام الماضی قبل
عام خلا امام اھل السنۃ السنیۃ و
الجماعۃ السنیۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ
مؤید الملۃ الطاھرۃ سنا مر نور
الایمان انسان عین الاعیان الذی
لم یکتحل بمثلہ طرف الاوان قطب
المکان وغوث الزمان برکۃ الاعیان
اٰیۃ من اٰیات الرحمٰن سیدی واستاذی
ووالدی وملاذی حضرۃ المولی الحاج
الشیخ **احمد رضا خاں** افاض اللہ
علینا من شآبیب فیضہ المدرار
ما ترنّم الھزار فوق الازھار وکنتُ
ذخیلاً فی محاسیب عیالہ متشبثا

سراہے گئے حمد کئے گئے کی وہ حمد کرتا ہوں۔
جو سب سے بہتر حمد کرنے والے نے کی۔ اور
درود وسلام بھیجتا ہوں اُنپر جو سب بکثرت سراہی
ہوؤں سے زیادہ سراہی گئے ہیں جنکا نام پاک احمد
ہے۔ حمد ونعت کے بعد جیکہ چودھویں رات
کے روشن چاند کی طرح سیر کے لئے ہند کی پستی
سے بلندی حج مکہ معظمہ وزیارت حرم حبیب مصطفیٰ
امید گاہ پسندیدہ برگزیدہ علیہ افضل الصلوٰۃ
والسلام کی طرف سال گذشتہ سے پہلے سال
دوسری بار وہ متوجہ ہوئے جو اہل سنت تابندہ
وجماعت سنت کے امام ہیں۔ اور موجودہ صدی کے
مجدد۔ ملت پاکیزہ کے ناصر۔ نور ایمان کی بلندی
چشم عالم کی پتلی۔ وہ کہ زمانے کی آنکھ نے اُن کا
مثل نہ دیکھا۔ قطب مکان وغوث زمان و
برکت وجود۔ آیات الٰہیہ سے ایک آیت۔ میرے
سردار واستاذ ووالد وجا پناہ حضرت مولانا حاجی
جناب احمد رضا خاں صاحب۔ اللہ عزوجل
ہم پر انکے فیض بیشمار بار کے چھینٹے ڈالے جبتک
کلیوں پر بلبل چہکیں۔ اور میں انکے شمار عیال میں داخل

Marfat.com

باهدابه واذياله فرأيتُ ماقد خصّه
الله تعالیٰ به من منایا الاکرام و
اسبغ علیه من العطایا العظام۔ و
اسبل علیہ من غطاء الانعام بلدہ
الحرام وبلد حبیبہ سیّد الانام
علیہ افضل الصّلوٰۃ والسّلام مدی
اللّیالی والایّام فبجّلہ اھالیھا ووقّروہ
وکرّموہ وحبّروہ وعلی اعدائہ نصروہ و
قھروا المفسدین المارقین من الدّین
کما تخرج الشّعرۃ من العجین و ھتکوا
خیام خبثھم المھین نباء وابغضب من
اللّٰہ واصبحوا خاسرین وساء صبلح المنذرین
وفرّت ذریّۃ الشیطان بھوۃ الھوان
کحمر مستنفرۃ فرّت من قسورۃ و
ھتکت استارھا وکشف عوارھا و
فشا عارھا وتواری اُوارھا وخمدت
نیرانھا وقتلت فیرانھا وذبحت ثیرانھا
وقلبلہ للعلماء الکرماء الاتقیاء العظماء
الکبار الاعلام بکمال الاعزاز ونھایۃ
الاحترام وشھدوا لہ انّہ السّیّد الفرد
الامام بل قبّلوا ایاھیہ والاقدام۔ و
استمعوا منہ الحدیث المسلسل بالاولیۃ
واستجازوا منہ بالصّحاح والسّنن و

اُنکے آنچلوں دامنوں سے متمسک تھا۔ تو میں نے
دیکھے وہ عزّت کے امتیاز جن سے اللہ تعالےٰ نے اُنکو
خاص کیا۔ اور اُن پر اپنی بڑی عطائیں وسیع فرمائیں
اور اُوپر اپنے انعام کا دامن ڈالا اپنے حرمت والے
شہر (مکہ معظمہ) اور اپنے سرورِ عالم کے شہر (مدینہ طیبہ)
اُنپر سب سے بہتر درود وسلام جبتک راتیں باقی
رہیں) دونوں شہر کرم کے لوگوں نے اُنکی تعظیم وتوقیر
وتکریم وخاطرداری کی۔ اور اُن کے مخالفوں پر اُن کو
مدد کی۔ اور اُن مفسدوں کو کہ دین سے ایسے نکل گئے
جیسے آٹے سے بال۔ مغلوب کیا۔ اور اُنکی ذلیل خبثت
کے پردے چاک کئے۔ تو وہ مفسد غضبِ الٰہی کے
مُستحق ہوئے۔ اور خسارے میں رہے۔ اور ڈرائے
گئے کی بُری سُبح ہوئی۔ اور شیطان کی اولاد ذلت کی مار
میں بھاگی۔ جیسے بدکے ہوئے گدھے کہ شیر سے بھاگے
ہوں۔ اور اُن مُفسدوں کے پردے چاک ہوئے۔ اور
عیب کھُل گئے۔ اور اُن کی ذلت فاش ہوئی۔ اور اُنکی
گرمی سردپوش اور اُنکی آگیں خاموش ہوئیں۔ اور اُنکی چوپے
مارے گئے۔ اور اُنکے بیل ذبح کئے گئے۔ اور حضرت ممدوح
علماءِ کرام اتقیاءِ عظام بڑے بڑے مشاہیر کمال عزّت
اور نہایت احترام سے ملے۔ اور اُنکے لئے گواہی دی
کہ وہی سردار ویکتا وامام ہیں۔ بلکہ اُن کے ہاتھ
پاؤں چومے۔ اور اُن سے حدیث مسلسل بالاولیۃ
سُنی اور حدیث کی کتابوں صحاح وسُنن و

Marfat.com

المسانید والمعاجیم والمصافحات الاربع
المرویۃ حتّٰی بایعوا علیٰ یدہ وانسلکوا
فی السّلسلۃ العلیّۃ القادریّۃ الرضویّۃ
وکان ذٰلک کلّہ دفع رجلہ بالاصرار
فوق الاصرار من صنادید العلماء و
کبار الکبّار ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من
یّشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم وطابت
بطیب ذکرہ الاٰذان وفاح بشمیم فضلہ
کلّ نادٍ ومکان وطارصیت نوالہ فی الزّوایا
والاٰفاق فتاقت الافئدۃ للقائہ بالاشواق
سدانہ فاح عرف علومہ وتضوع مسک
نھومہ من الرسالۃ المبارکہ **الدّولۃ**
المکیّۃ بالمادۃ الغیبیّۃ الّتی
صنّفھا بجواب اسئلۃ الوھابیّۃ الحیبیّۃ
فھزم الاحزاب وبداہ تحت الثّیاب
وتتل الرءوس والاذناب وسیفہ فی
الجراب واتخّر الکتاب وانھی الجواب
فی ثلٰث جلسات لایبلغ مجموعھما
عشر ساعات فما کان الّا کرامۃ مّن اللّٰہ
وخرقا للعادۃ لکنّہ لہ کدأب وعادۃ
قد جرب مرارا فی امثال الافادۃ اتمّ
اللّٰہ لہ الحسنٰی وزیادۃ فاتیٰ بھا ببدیھۃ
مطاوعۃ وبلاغۃ رائعۃ متجلیۃ بدرایات

مسانید و معاجیم اور چاروں مصافحوں کی اجازت
لی۔ یہانتک کہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ علیہ
قادریہ رضویہ میں منسلک ہوئے۔ اور یہ تمام باتیں
چھوٹی اور بڑی سب اُن عمائد علماء و اکابر کبرا کے
اصراروں سے ہوئیں۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے
دے۔ اور اللہ تعالٰے بڑے فضل والا ہے۔ حضرت
ممدوح کے تذکرہ سے کان خوش ہوئے۔ اور اُن کی
خوشبوئے فضل سے ہر مجلس و منزل مہک اُٹھی۔
اور اُن کے فیض کا شہرہ اطراف و آفاق میں بلند ہوا
تو قلوب بڑے شوق سے اُن کے آرزومند ہوئے
مگر اون کے علوم کی خوشبو پھیلنا اور اون کی مشک
فہوم کا خوب مہکنا رسالہ مبارکہ **الدّولۃ المکیّۃ**
بالمادۃ الغیبیّۃ ۱۳۲۳ھ سے ہوا۔ جسے عیبی وہابیہ
کے جواب سوالات میں تصنیف فرمایا۔ تو اُن
کے گروہوں کو بھگا دیا۔ اور ہاتھ باہر نکلنے کی
حاجت نہ ہوئی۔ اور اُن کے سر و دُم قطع کئے
اور تلوار نیام کی نیام ہی میں رہی۔ یہ کتاب اور
جوابات صرف تین جلسوں میں تمام ہوئے جنکا
مجموعہ دس گھنٹے بھی نہ تھا تو یہ نہ تھا مگر اللہ عزوجل
کیطرف سے کرامت و خارق عادت مگر وہ حضرت ممدوح کیلئے
تو دستور و عادت کے مثل ہے جسکا ایسے افادوں میں اُن سے بارہا
تجربہ ہوا۔ اللہ اُنکے لئے وہ سب سے بہتر خوبی اور اُس پر بھی زیادت
پوری کرے تو یہ رسالہ ایک فوری نگاہ فرماں پذیر اور بلاغت

Marfat.com

فاستضاءوا بانوارها الساطعة۔ و
استیقنوا ان له قدما فارعة فی
اعلام العلوم من المنقول والمفهوم
فاستوقفوا عنده مطایا الارب۔ و
انضوا الیه رکاب الطلب واستفتوه
فی مسائل کثیرة فاجابهم عن قریحة
مشرقة منیرة منها اثنتا عشرة مسئلة
تبلو الاذهان وتجلوا المکان وتسبر
الاوزان وتخبر عن قدر الفرسان فی
معارك المیدان بعد ما بحثوا فیها
من جل وقل واستسقوا لها الوابل
وطل وتعلل الناس بعلی ولعل۔
فابتدءوا فی اجوبتها یوم السبت و
عاودته الحمی یوم الاحد فانهاه
ضحی یوم الاثنین لسبع بقین من
المحرم الحرام سنة ۱۳۲۴ فی بلد الله الحرام
فقد اتی بفضل الله المنعام مزنة عند
الاوام وکان ذلك الاقتراح من
الفاضل الصفی الکامل الوفی امام
المقام الحنفی مولانا الشیخ عبد الله
میرداد المکی القادری الرضوی ابن
شیخ الخطباء وسید الائمة العظماء
حضرة الشیخ احمد ابی الخیر حفظهما

ترقی گزین سے لکھدیا بیراب روایتوں سے جلوہ ریز
اور گوہرین دلنشیں سے زیور پوش۔ تو وہ علما اُس کے
بلند نوروں سے ضیا گیر ہوئے۔ اور اُنہوں نے یقین
کیا کہ مصنّف کا قدم مشاہیر علوم معقول ومنقول
میں بلند ہے۔ تو اُن کے پاس حاجتوں کے نالے
روکے۔ اور اُنکی طرف طلب کے جہاز سے سرگرم تیز
کئے۔ اور بہت مسائل میں اُن سے فتوے چاہے
تو مصنّف نے چمکتی نورانی طبیعت سے اُنکو جواب
دیئے۔ ازاں جملہ وہ بارہ مسئلے کہ ذہنوں کو آزمائیں۔
اور آدمی کا مقام کھولیں اور قیمت جانچیں۔ اور میدان
کے معرکوں میں سواروں کی قدر بتائیں بعد اسکے کہ وہ علمائے
ان مسائل میں صغار وکبار سے بحث کر چکے تھے۔ اور
اُنکے لئے بڑی بھرن اور شبنم سب سے پانی مانگ چکے تھے
اور لوگوں نے آئے بلے کرکے ٹال دیا تھا۔ ایسے مسائل
کا جواب مصنف ممدوح نے بروز شنبہ شروع فرمایا۔
اور اتوار کو پھر بخار آگیا۔ تو روز دوشنبہ پہر دن چڑھے اسے
تمام فرمادیا ۲۴ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کو اللہ عزوجل کے
حرمت والے شہر مکہ معظمہ میں تو بڑے احسان والے اللہ
کے فضل سے پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اور جس کی فرمائش دو علمائے
کبار سے ہوئی تھی۔ ایک فاضل پاکیزہ کامل مکمل صفائے
حنفی کے امام مولینا شیخ عبد اللہ میرداد مکی قادری رضوی
شیخ الخطباء وسردار المابین بعظمت حضرت شیخ احمد
ابوالخیر کے صاحب زادے اللہ عزوجل انکو

Marfat.com

اللّٰہ تعالیٰ عن کل ضیر - واستاذہ
الفاضل الکامل الحائد الزاوی
عن کل المساوی مولانا الشیخ
حامد احمد محمد الجداوی حفظ
عن شر العدو الغاوی ووقانا وایاھم
عن کلاب البدع ونباح العاوی
وحمانا وایاھم عن جمیع المھالک
والمھاوی وروانا جمیعًا من شآبیب
فضلہ الراوی ونضر قلوبھم وقلبی
الزاوی وغفر لنا ولھم جمیع المساوی
ورزقنا جمیعا عودا بعد عود الی
بیتہ الکریم وبیت حبیبہ الرءوف
الرحیم علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ و
التسلیم کرات بعد مرات بالقبول
والبرکات بجاہ مصحح الحسنات :
مقیل العثرات دلیل الخیرات
ماحی الذنوب والسیئات صلی اللّٰہ
تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ و
ازواجہ الطاھرات - وقد سمی الرسالہ

کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم

۱۳۲۴ھ

فھا ھی ذہ والحمد للّٰہ علی آلائہ
والصلوٰۃ والسلام علی افضل انبیائہ

ہر مضرت سے محفوظ رکھے۔ دوسرے انکے استاذ
فاضل کامل سب بری باتوں سے یکسو وکنارہ گزیں
مولینا شیخ حامد احمد محمد فاضل جدہ وہ دشمن
وگمراہ کے شر سے محفوظ رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ
انہیں اور ہمیں بد مذہب کتوں اور بھونکنے والے
کے بھونکنے سے بچائے۔ اور ہمیں اور انہیں سب
تہلکوں اور گرنے کی جگہوں سے نگاہ رکھے۔ اور
ہم سب کو اپنے فضل سیراب کے چھینٹوں سے
سیراب کرے۔ اور ان کے دل اور میرے دل پژمردہ
کو تر و تازہ کرے۔ اور انکی اور ہماری سب برائیاں
بخشدے۔ اور ہم سب کو بار بار اپنے کرم والے
گھر اور اپنے حبیب نہایت مہربان رحم والے صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مزار کی طرف بار بار
بتکرار حاضری پر حاضری عطا فرمائے۔ قبول اور
برکتوں کے ساتھ اون کی عزت کا صدقہ جو نیکیوں
کو صحت بخشنے والے ہیں۔ اور لغزشوں کے معاف
فرمانے والے بھلائیوں کے رہنما ہر گناہ و بدی
مٹانیوالے اللہ تعالیٰ اون پر اور ان کے آل واصحاب
اور پاک بیبیوں پر درود بھیجے۔ مصنف نے رسالہ کا نام

کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم

۱۳۲۴ھ

رکھا۔ ہاں وہ رسالہ یہ ہے اور اللہ کیلئے حمد ہے
اسکی نعمتوں پر۔ اور درود وسلام افضل انبیاء پر

Marfat.com

وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسائر احبائہٖ
وعلینا معھم وبھم وفیھم ولھم
وعلیٰ جمیع المسلمین والمسلمات
الاحیاء منھم والاموات آمین
یا رب العٰلمین ۔

اور اُن کے آل واصحاب اور تمام احباب پر
اور ہم پر اُن کے ساتھ اور اُن کے سبب اور
اُن کے گروہ میں اور اُن کے صدقہ میں اور تمام مسلمان
مردوں اور عورتوں پر جو اُن میں زندہ ہیں اور جو مر گئے
ایسا ہی کر آے پروردگار سارے جہان کے ۔

قالہ بفیہ شاھدا بما فیہ
راجی رحمۃ ربہ ونعمۃ حبیبہ بالکرم
النبوی واللطف الولوی
محمد المعروف بحامد
رضا البریلوی
سقاہ اللہ من منھل
کرمہ المروی
وحماہ اللہ
عن شر الحر
المدوی

اسے اپنے مُنہ سے کہا اس کے مضمون پر گواہی
دیتا ہوا نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے کرم
اور غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مہربانی سے
اپنے رب کی رحمت اور اُس کے محبوب کی نعمت
کے امیدوار محمد نے جسکا عرف حامد رضا
بریلوی ہے ۔ اللہ تعالےٰ اوسے اپنے
سیراب کرنیوالے گھاٹ سے
پانی پلائے ۔ اور اُسے پژمردہ
کرنے والی گرمی کے
شر سے بچائے ۔



كِفْلُ الْفَقِيْهِ الْفَاهِمْ
فِيْ اَحْكَامِ
قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمْ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

نوٹ کے متعلق سب مسائل

۱۳۲۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مَا قولكم دام طولكم فی هذا القرطاس المسكوك المسمّٰی بالنّوط والسّؤال عنه فی مواضع الاوّل هل هو مال ام سند من قبيل الصّك الثّانی هل تجب فيه الزّكوٰة اذا ابلغ نصابًا فاضلا وحال عليه الحول ام لا الثالث هل يصحّ مهرا الرّابع هل يجب القطع بسرقته من حرز الخامس هل يضمن بالاتلاف بمثله او بالدّراهم السّادس هل يجوز بيعه بدراهم او دنانير او فلوس السّابع اذا استبدل بثوب مثلا يكون مقايضه او بيعا مطلقا الثامن هل يجوز اقراضه وان جاز فيقضی بالمثل او بالدّراهم التاسع هل يجوز بيعه بدراهم نسيئة الی اجل معلوم العاشر هل يجوز السّلم فيه

آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکہ ہوتا ہے۔ اور اُسے نوٹ کہتے ہیں۔ اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں اوّل کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟ دوم جب وہ بقدر نصاب ہو۔ اور اُس پر سال گذر جائے۔ تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یا نہیں؟ سوم کیا اُسے مہر مقرر کر سکتے ہیں؟ چہارم اگر کوئی اُسے محفوظ جگہ سے چُرائے۔ تو اُسکا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟ پنجم اگر اُسکو کوئی تلف کر دے۔ تو عوض میں اُسے نوٹ ہی دینا ہوگا۔ یا روپے؟ ششم کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اُسکی بیع جائز ہے؟ ہفتم اگر مثلاً کسی کپڑے سے اُسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جسمیں دونوں طرف متاع ہوتی ہے) ہشتم کیا اُسے قرض دینا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے۔ تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے۔ یا روپے؟ نہم کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں اُسکا بیچنا جائز ہے؟ دہم کیا اُس میں بیع سلم جائز ہے؟

Marfat.com

بان تعطی الدراهم علیٰ نوط معلوم
نوعا و صفۃ یؤدی بعد شھر مثلا
الحادی عشر ھل یجوز بیعہ بازید
مما کتب فیہ من عدد الربابی کان
یباع نوط عشرۃ باثنی عشر او عشرین
او بانقص منہ کذلک الثانی عشر
ان جاز ھذا فھل یجوز اذا اراد
زید استقراض عشرۃ ربابی من عمرو
ان یقول عمرو لا دراھم عندی ولکن
ابیعک نوط عشرۃ باثنتی عشرۃ
ربیہ منجمۃ الیٰ سنۃ تؤدی کل
شھر ربیۃ وھل ینھی عن ذلک لانہ
احتیال فی الربا وان لم ینہ فما
الفرق بینہ وبین الربا۔ حتیٰ یحل
ھذا ویحرم ذلک مع ان المال وھو
حصول الفضل واحد فیھما۔
افیدونا الجواب۔ توجروا یوم الحساب

الجواب

اللھم لک الحمد یا وھاب صل
وسلم علی السید الاواب۔ وعلیٰ
الہ واذواجہ والاصحاب اسالک
ھدایۃ الحق والصواب۔ اعلم
وفقنی اللہ وایاک وتولیٰ ھدای وھداک

یوں کہ روپے پیشگی دیئے جائیں۔ کہ مثلاً ایک مہینہ
کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا۔
یازدہم کیا یہ جائز ہے۔ کہ جتنی رقم اوس میں
لکھی ہے۔ اوس سے زائد کو بیچا جائے۔ مثلاً
دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو۔ یا اسی طرح
اوس سے کم کو۔ دوازدہم۔ اگر یہ جائز ہے
تو کیا یہ بھی جائز ہے۔ کہ جب زید عمرو سے دس
روپے قرض لینا چاہے۔ تو عمرو کہے۔ روپے تو
میرے پاس نہیں ہیں۔ ہاں میں دس کا نوٹ
بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ
بیچتا ہوں۔ کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے
کیا اس کو منع کیا جائے گا۔ کہ یہ سود کا حیلہ
ہے۔ اور اگر منع نہ کیا جائے۔ تو اس میں
اور ربا (سود) میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ حلال
ہو اور وہ حرام۔ حالانکہ آل دونوں کا ایک ہے
یعنی زیادتی کا حاصل ہونا +
ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے

جواب

الٰہی! تیرے ہی لئے حمد ہے۔ اے بہت عطا فرمانیوالے
درود و سلام بھیج اون سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع
فرمانیوالے ہیں۔ اور اُن کے آل و ازواج و اصحاب پر میں
تجھ سے حق و راستی کی رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالیٰ مجھے
اور تجھے توفیق دے۔ اور میری تیری ہدایت کا والی ہو

Marfat.com

ان النوط من احدث الاشياء و
اجدها۔ لن تجدَ له ذکرا ولا اثرا
فی شئ من مؤلفات العلماء حتی
العلامة الشامی ومن ضاهاه من
العلماء الماضین قریبا ولکن الائمة
شکر اللہ تعالیٰ مسعیھم الجمیلة و
افاض علینا من برکاتھم الجلیلة۔ قد
بینوا الملة الحنفیه بیانا شافیا
لیس دونه خفاء وقد اضت بحمد
اللہ تعالیٰ غرا بیضاء لیلھا کنھارھا
فاصلوا اصولا وفصلوا تفصیلا و
ذکروا کلیات تنطبق علیٰ ما لا یحصی
من جزئیات فالحوادث وان ابت
النھایة لا تکاد تخرج عما افادونا
من الدرایة ولن یخلوا الوجود
ان شاء الملک الودود عمن یقدره
المولیٰ سبحٰنه وتعالیٰ علیٰ استخراج
تلک الخبایا وآلاستریاح من تلک
العطایا والمزایا نعم من الافھام
بعید وقریب والانسان یخطئ و
یصیب وما العلم الا نور یقذفہ
اللہ تعالیٰ فی قلب من یشاء من
عبادہ فلا حیلة الا الالتجاء الیٰ

کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نوپیدا
چیز ہے۔ تو تالیفاتِ علماء میں اُسکا اصلاً نام
ونشان نہ پائیگا یہانتک کہ علامہ شامی اور اُن
کے مثل جنکا زمانہ ابھی قریب گذرا۔ لیکن ہمارے
اماموں نے (اللہ تعالےٰ اونکی نیک کوششیں ٹھکانے
لگائے۔ اور اونکی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے)
اس دینِ حنیف کا شافی بیان فرما دیا۔ جس میں
اصلاً پوشیدگی نہیں۔ تو بحمد اللہ یہ شریعت
ایسی روشن چمکتی ہوگئی۔ کہ اوس کی رات
بھی دن کی طرح ہے۔ تو انہوں نے قواعد
مقرر فرمائے۔ اور ہر بات جُدا جُدا دکھا دی۔
اور ایسے کلیے ذکر فرمائے۔ کہ بیشمار جزئیوں پر
منطبق آئیں۔ تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگرچہ
ختم ہونا نہیں مانتیں۔ مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے
گئے ہیں۔ اوس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم
ہوتی۔ اور اللہ نے چاہا۔ تو زمانہ ایسوں سے خالی
نہ ہوگا جسے اللہ تعالےٰ اول پوشیدہ باتوں کے نکالنے
اور اون بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے
پر قدرت دے۔ ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں
اور بعضے قریب۔ اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور
صواب بھی۔ اور علم تو اوسی نور کا نام ہے جو اللہ
تعالےٰ اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القا
فرماتا ہے۔ تو سوا اسکے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی

Marfat.com

توفیقه سبحٰنه و ارشاده وحسبنا
الله ونعم الوکیل وعلیه نتمر علی
رسوله التعویل جل وعلا ونکرم
وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم
فأقول وبالله التوفیق وبر الوصول
الی ذری التحقیق اوّل اسئلتک اصل
اسئلتک واذا علمت حقیقة هذا
القرطاس اتضحت الاحکام کلها
من دون التباس۔ امّا اصله فمعلوم
انه قطعة کاغذ والکاغذ مال
متقوم وما زادته هذه السکة
الا رغبة للناس الیه وزیادة
فی صلوح ادخاره للحاجات و
هذا معنی المال ای مایمیل
الیه الطبع ویمکن ادخاره
للحاجة کما فی البحر و الشامی وغیرہما
ومعلوم ان الشرع لم یرد بحجر المسلم
عن التصرف فی قطعة قرطاس کیفما
کانت کما ورد به فی الخمر والخنزیر
وهذا هو مناط التقوم کما فی ابن
عابدین وفیه عن التلویح المال
ما من شانه ان یدخر للانتفاع
وقت الحاجة والتقویم یستلزم المالیة

توفیق وہدایت کی طرف ہدایت کی طرف التجا کی
جائے۔ اور اللہ ہم کو کافی ہے۔ اور بہت اچھا کام
بنانیوالا۔ اور اوسی پر پھر اُس کے رسول پر بھروسا۔
وہ بزرگی وبلندی وکرم وللہ اور اُسپر اسکے درود وسلام
تو میں کہتا ہوں۔ اور اللہ ہی کیطرف سے توفیق ہے
اور اوسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا۔ آپ کا
پہلا سوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے
اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ تو
سب احکام واضح ہو جائینگے جنمیں کوئی شبہ نہ رہیگا
اُسکی اصل تو معلوم ہے۔ کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے
اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اوسے
کچھ زیادہ نہ کیا۔ مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اوس
کی طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کیلئے اُٹھا
رکھنے کا زیادہ لائق ہوگیا۔ اور مال کے یہی معنی
ہیں۔ یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے
اور حاجت کیلئے اُٹھا رکھنے کے قابل ہو۔ جیسا کہ بحر و
شامی وغیرہما میں ہے۔ اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے
کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا۔ کہ اپنے پارۂ کاغذ میں
جسطرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب وخوک کے
بارے میں نہی وارد ہوئی۔ اور مال کی قیمت والے ہونیکا
اسی پر مدار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور اوسمیں تلویح سے نقل
فرمایا۔ مال وہ چیز ہے جسکی شان یہ ہو کہ وقت حاجت اُس سے نفع
لینے کیلئے اُٹھا رکھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونیکو مستلزم ہے

Marfat.com

و فیه عن البحر عن الحاوی القدسی المال اسم لغیر الآدمی خلق لمصالح الآدمی وامکن احرازه والتصریف فیه علی وجه الاختیار اھ وقد قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر

اور اوسی میں بحوالہ بحر الرائق حاوی قدسی سے ہے مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کیلئے پیدا کی گئی۔ اور اس قابل ہو۔ کہ اوسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اوسمیں تصرف کریں۔ اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ہے:-

لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکره اھ

اگر کوئی اپنا کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے اھ

وھذه ان حققت جزئیة النوط التی بھا ھذا الامام قبل بحمد وتر بخمسمائة سنة فانه ھو الکاغذ الذی یباع بالف ولا غرو فکم من مثل ھذه الکرامات لعلمائنا الکرام نفعنا الله تعالیٰ ببرکاتھم فی الدنیا والاخرة آمین فلا ریب ان النوط بنفسه مال متقوم یباع ویشتری ویوھب ویورث ویجری فیه جمیع ما یجری فی الاموال +

اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اوسکی پیدائش سے پانسو برس پہلے فرمادیا۔ کہ یہی وہ کاغذ ہے جو ہزار روپے کو بکتا ہے۔ اور کچھ اچنبا نہیں۔ کہ ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اونکی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے آمین! تو کوئی شک نہیں۔ کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے۔ کہ بکتا ہے۔ اور مول لیا جاتا ہے۔ اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی بابتیں مال میں جاری ہیں سب اوسمیں جاری ہوتی ہیں +

اقول ومن الظن بل من اردء الشکوک توھم انه سند من قبیل الصکوک ای ان السلطنة التی تروج ھذه القراطیس تستدین من اٰخذیھا الدراھم وتعطیھم ھذه تذکرة

اقول اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شکوک میں سے ہے یہ وہم کہ نوٹ[1] دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے۔ یعنی وہ سلطنت کہ جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے۔ اُن لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے۔ اور یہ اون کے قرضوں اور اونکی مقداروں کی یادداشت انکو دیتی ہے

[1] یہ وہم مولوی رشید احمد گنگوہی کو لگا ہے۔ اسکا بیان ختم کتاب پر دیکھیئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ مترجم غفرلہ

لدیونهم ولمقادیرها فاذا جاءُوا
بها الی السّلطنه قضتهم دیونهم
واخذت قراطیسها وان اعطوها
غیرهم من الوّعایا فهم یستدینون
من اولئك الآخرین ویحیلونهم
علی السّلطنة ویعطونهم تلك
التّذکرة علما علی الاحالة ترکے
یتوصّلوا بها الیٰ اخذ مثل دیونهم
من السّلطنة المدیونة لمدینیهم
وهٰکذا کلّما تداولت الایدی
تکرّرت الادانات والحوالات هٰذا
معنی کونه سندا وکلّ طفل عاقل
یعلم انّ هٰذه المعانی ممّا لا یخطر
ببالِ احد من المتعاملین بها ولا
یقصدون قطّ بهٰذا التّداول ادانة
ولا استدانة ولا حوالة ولا یذهب
خاطرهم الیٰ شیٔ من ذٰلك اصلا و
لا تریٰ احدهم قطّ یذکر فی دفتر دیونه
علی النّاس من اخذ الدّراهم منه
باعطاء النّوط ولا یقول له مدّة عمرہٖ
انّك استدنت منّی کذا فاقضنی
وخُذ تذکرتك منّی ولا فی دفتر
دیون النّاس علیه من اخذ هو

تو جب وہ لوگ سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر
آئیں سلطنت اونکی قرض ادا کر دیتی ہے۔ اور اپنے
کاغذ واپس لیتی ہے۔ اور اگر نوٹ لینے والے رعیت
میں کوروں کو نوٹ ہیں۔ تو وہ اُن دوسروں سے
روپے قرض لیتے ہیں۔ اور اپنا قرضہ سلطنت پر
اوتار دیتے ہیں۔ اور اس حوالہ کی نشانی کو وہی یادداشت
کا کاغذ اونکو دیدیتے ہیں۔ تاکہ اون کے ذریعہ سے
ان دوسروں نے جو قرض اُن پہلوں کو دیا تھا۔ اوسے
سلطنت سے وصول کر سکیں۔ جو اُن پہلوں اُن کے
مقروضوں کی دیون ہے۔ اور یوں ہی جتنے اکٹ پھیر
توٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر ہوتے چلے جاتے
ہیں۔ اوس کے سند ہونے کے یہ معنی ہیں۔ اور ہر
سمجھ والا بچہ بھی جانتا ہے۔ کہ جتنے لوگ نوٹ کا
معاملہ کرتے ہیں کبھی کے دل میں ان باتوں کا
خطرہ بھی نہیں گذرتا۔ اور کبھی اس اولٹ پھیر سے
قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے
اور کبھی ان باتوں میں سے کبھی طرف اونکا خیال
نہیں جاتا۔ اور تو اون میں کبھی کبھی کو نہ دیکھیگا
کہ اپنے قرض کے بہی کھاتے میں اوسکا نام لکھے جس
نے نوٹ دیکر اوس سے روپے لئے۔ اور اپنی زندگی بھر
اوس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا ہے۔ ادا
کر دے اور اپنی یادداشت مجھ سے لیلے۔ اور جو اَور دل کا
اسپر دینا آتا ہو اوس میں بھی اوسکا نام کبھی نہیں لکھتا

Marfat.com

الدراهم منه واعطاه التوط ولاينكر
لاحد فی حیاته ولاعند مماته انّ
لفلان علیّ کذا فاقضوه وخذوا
تذکرتی منه والظلمة المتهتکة
المعتاد باکل الربا جهارا الایدینون
احدا درهما الا بوبا یوضع علیه
کل شهر ما لم یقض وتراهم یأخذون
التوط ویعطون الدراهم ولا یطلبون
علیها فلسا واحدا لا علی شهر
ولا علی سنین ولو علموا انّ ادانة
لما ترکوه قطعا فالحقّ انّهم جمیعا
انما یقصدون المبادلة والبیع و
الشراء ومن اخذ التوط یعلم قطعا
انّه ملکه بالدراهم ومن اعطاه
یعلم قطعا انّه اخرجه من ملکه
بالدراهم وصاحبه بعده من
ماله وکنزه کالنقدین والفلوس
ویدخره ویهبه ویوصی به و
یتصدق فلا یفهمون الا البیع
والناس عند مقاصدهم و
انما الاعمال بالنیات وإنما
لکل امرئ ما نوی فمن المتیقن
الذی لا یحوم حوله شبهة انّه

جسے نوٹ دیکر اُس نے روپے لئے۔ اور کبھی
اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں کہتا۔ کہ
فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے۔ اوسے ادا کر دینا۔ اور
میری یادداشت اوس سے لے لینا۔ اور وہ ظالم
بیباک جو سود علانیہ کھانیکے عادی ہوئے ہیں ایک
پیسہ کسی کو قرض نہ دینگے جبتک تا ادائے دین
اوسپر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں۔ اور تو اونہیں دیکھیگا
کہ نوٹ لیکر روپے دیتے ہیں۔ اور اوسپر ایک پیسہ
بھی نہیں مانگتے۔ نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد
اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ
چھوڑتے۔ تو حق یہ ہے۔ کہ وہ سب کے سب
اس سے مبادلہ اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے
ہیں جو نوٹ لیتا ہے۔ وہ یقیناً جانتا ہے۔
کہ میں روپے دیکر اسکا مالک ہوگیا۔ اور جو
نوٹ دیتا ہے۔ وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں نے روپے
لیکر نوٹ اپنی ملک سے خارج کر دیا۔ اور نوٹ
لینے والا اوسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح
اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے۔ اور ایسی جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ
کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدق کرتا ہے۔ تو
وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں۔ اور
اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائینگے جو اونکے مقصود
ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کیلئے وہی ہے
جو اوسنے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جسکے گرد شبہ کا حملہ

عند الناس مال متقوم محترز
مدخر مرغوب فيه يباع ويشترى
ويجرى فيه كل ما فى المال جرى
امّا ما ترى من علو اثمانهم فقطعة
بعشرة واخرى بمائة واخرى بالف

الكلام على اثمان الفلوس

فاقول قدمنا عن الفتح ان
قطعة قرطاس تصلح ان تباع
بالف وذلك بالتراضى بين
العاقدين فقط فكيف اذا
تراضى عليه امم من الناس
وجعلوا هذه القطعات بهذه
الاثمان اصطلاحا منهم علا
انّ الضرب السلطانى له قيمة
عند الشرع ايضا الا ترى انّ
من سرق عشرة دراهم مضروبة
قطع ومن سرق قدرا غير مضروب
وزنه قدر عشرة ولا تبلغ قيمتر
عشرة مضروبة لم يقطع كما نصّ
عليه فى الهداية وغيرها عامّة
كتب المذهب والفلوس المضروبة
المقدرة بزبية ان اخذت قدرها
وزنا من النحاس لا يساوى دبيبة
قطعا بل قد لا يساوى نصفها

بار نہیں۔ کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک قیمت والا
مال ہی جو محفوظ رکھا جاتا ہی۔ جمع کیا جاتا ہی اوسکی طرف
رغبت ہوتی ہی۔ بیچا جاتا ہی اور مول لیا جاتا ہی۔ اور جو ل
میں جاری ہی سب اوسمیں جاری ہتا ہی بلکہ وہ تم اوسکی بڑی بڑی قیمتیں
دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا۔ دوسرا سو کا تیسرا ہزار کا۔

اقول ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے
ہیں۔ کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو
بک سکتا ہے۔ اور اوس کے لئے
صرف اتنا درکار ہے۔ کہ بائع اور
مشتری دونوں اوسپر راضی ہوں۔ تو اوس
کا توکیب کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی
ہوں۔ اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح
میں ٹھیرالیں۔ علاوہ بریں سکہ شاہی شرع
کے نزدیک بھی قیمتی ہے۔ کہ تو نہیں دیکھتا
کہ جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے۔ اوس
کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور جو ایسی چاندی بے
سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو۔
اور اوس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک نہ
پہنچے۔ اوس کا ہاتھ نہ کٹے گا۔ جیسا کہ ہدایہ
وغیرہ عام کتب مذہب میں تصریح ہے۔ اور
ایک روپے کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں۔
اگر تو اون کے وزن کا تانبا لے۔ تو ہرگز ایک
روپے کا نہ ہوگا۔ بلکہ بعض وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا

بل ترٰی مثل ذٰلك فی الفضّة فقد
کانت فی قریب من الزّمان فضّة
تساوی دبیّتین وزنا بوبیّة واحدة
فی بلادنا وکانت الجهلة یشترون
ولا یعلمون ما فیه من وبال الرّبا
فاذا حصل بالضّرب التّضعیف
فالضّعف والاضعاف سواء وّمن
المجلی عند کلّ من ورد ولو عابر
سبیل مشرع الشّرع الجلیل او
منهل العقل السّلیم ان الشّیء التافه
جدار بما یعرض له ما یجعله اغلی
من اُلوف امثاله وربّما اشتریت
جاریة بمائتی الف واکثر۔ ولا
یرغب فی اُخری بثلثین درهمًا مع
ان الاوصاف لا قسط لها من الثّمن
حتّی الاطراف ما لم تصر مقصودة
بالاِتلاف فما هی الّا ثمن الذّات
زادته الاوصاف لزیادة الرّغبات
آدعیتك ان کانت ورقة کاغذ فیها
علم نفیس عجیب نادر غریب وکان
رجل یطلبه ویعرف قدره
فاشتراها بعشرة اُلاف هل فیه
من خلاف کلّا بل حلال طیّب

بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھو گے۔
ابھی تھوڑا زمانہ گذرا ہے۔ کہ دو روپے بھر
چاندی ہمارے ملک میں ایک روپیہ کو بکتی
تھی۔ اور جاہل لوگ خریدتے تھے۔ اور
نہیں جانتے تھے کہ اوس میں سُود کا کیسا وبال
ہے۔ تو سکّے سے جب دُونا دُون قیمت
ہوگئی۔ تو دوچند اور ہزار چند یکساں۔ اور ہر
شخص کہ جو شرع مطہر یا عقل سلیم کے
گھاٹ سے گذرا ہے۔ اگرچہ راہ چلتا ہوا
اوس پر روشن ہے کہ ایک شے نہایت حقیر
میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اوسے اوس
جیسی ہزاروں سے بیش بہا کر دیتا ہے۔ اور
بارہا ایک کنیز دو لاکھ روپے اور اس سے زائد
کو خریدی گئی۔ اور دوسری کو کوئی تیس ۳۰ روپے کو
نہیں پوچھتا۔ حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں
سے کوئی حصّہ نہیں۔ یہانتک کہ ہاتھ پاؤں جب
تک کہ بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں تو وہ ثمن
ذات ہی کا ہے۔ جسے رغبتیں بڑھنے کے سبب
اوصاف نے بڑھا دیا۔ بھلا بتا تو کہ ایک ورق
کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس عجیب و غریب نادر
ہو۔ اور ایک شخص اوس علم کا طلبگار ہو۔ اور
اُسکی قدر جانتا ہو۔ وہ اُس ورق کو دس ہزار میں خرید لے
تو کیا کوئی اسمیں خلاف ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ حلال طیّب ہے

بنص القرآن والاجماع من دون
تكبير ولا نزاع قال تعالىٰ الا ان تكون
تجارة عن تراض منكم فهذه العشرة
الالاف ما هي ثمن المكتوب فانه
لا مالية له اصلاً كما نص عليه
في الهداية وسائر الكتب المعللة
وهذا نقضها ولا قطع في سرقة
المصحف وان كان عليه حلية
لانه لا مالية على اعتبار المكتوب
واحرازه لاجله لا للجلد و
الاوراق والحلية وانما هي
توابع ولا في الدفاتر كلها
لان المقصود ما فيها وذلك ليس
بمال الا دفاتر الحساب لان ما فيها
لا يقصد بالاخذ فكان المقصود
الكواغد اه ملتقطا - فتبين
ان الورقة الواحدة هي التي تبلغ
ثمنها لما فيها عشرة الاف
فاي غرر في بلوغ قيمة نوط عشرة او
اكثر لاجل ما كتب فيه فما استجلب
رغبات الناس اليه واي حجر من
الشرع عليه - وبالجملة فالمسألة
اوضح من ان تحتاج الى ايضاح

اسپر قرآن عظیم کا نقص اور بلا انکار و منازعت
اجماع قائم ہی۔ سب جانتے ہیں ہر جاہل فہم کہتا ہی۔ مگر یہ کہ کوئی سودا
تمہاری آپس کی خوشی کا ہو۔ اور یہ دس ہزار
اوس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں۔ کہ وہ تو
مال کے قبیل ہی سے نہیں۔ جیسا کہ ہدایہ اور باقی
تمام کتب میں تصریح ہے جن میں مسئل ہو دلائل
مذکور ہیں۔ اور یہ ہدایہ کی عبارت ہی۔ قرآن مجید
چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائیگا اگرچہ اسپر سونا چڑھا ہوا ہو
اسلئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو
وہ از قبیل مال ہی نہیں۔ اور اس کا محفوظ
رکھنا اوس مکتوب ہی کی غرض سے ہے
نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے۔
یہ چیزیں تو توابع ہیں۔ اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں
ہاتھ نہ کاٹا جائیگا کہ اون سے مقصود وہ ہے جو اون
میں لکھا ہے۔ اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں
کہ اون میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا
جو اوس کا لینا مقصود ہو۔ تو ضرور کاغذ ہی مقصود
ہوئے۔ انتہی ملخصا۔ تو کھل گیا۔ کہ ایک ورق کاغذ
ہی کی قیمت اوسکی تحریر کے باعث دس ہزار کو
پہنچ گئی۔ تو اسمیں کیا تعجب ہی کہ اس لکھائی کے سبب جو
کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جسکے باعث لوگوں کی رغبتیں
اسکیطرف کھنچ گئیں اور شرع سے اوسپر کونسی روک ہی خلاصہ یہ کہ
مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہی کہ روشن کرنیکا محتاج ہو

و الی کم تبتغی المصباح وقد اسفر الاصباح

ثم اقول بل حقیقة الامر ان الاموال کما فی البحر وغیرہ اربعة اقسام **الاول** ثمن بکل حال وھو النقدان فانھما اثمان ابدا صحبتھما الباء اولا وقوبلا بجنسھما اولا وعدھما العرف من الاثمان اولا کالمصوغ منھما فانه بسبب ما اتصل به من الصنعة لم یبق ثمنا صریحا و لھذا یتعین فی العقد ومع ذلک بیعه صرف یشترط فیه ما یشترط فی الصرف لانھما خلقا للثمنیة ولا تبدیل لخلق اللہ۔ **والثانی** مبیع بکل حال کالثیاب والدواب فانھا وان صحبتھا الباء وقوبلت بما تشاء لا تثبت دینا فی الذمه وھذا ھو المعنی بالثمنیة فلا یرد ان فی المقایضة کلا من العوضین ثمن من وجه ھکذا وجہ ابن عابدین جوابا عن ایراد العلامة الطحطاوی

اقول وفیه ان المصوغ من الجوھرین ایضا لا یثبت

اور کہانتک تو چراغ مانگے جائیگا حالانکہ صبح روشن ہو گئی

ثم اقول۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مال چار قسم ہے۔ جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے۔ **اوّل** وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے۔ اور وہ سونا چاندی ہیں کہ ہمیشہ ثمن ہی رہینگے خواہ انکے عوض کوئی چیز بیچی یا انکے کسی چیز کے عوض بیچنا کہیں۔ خواہ اپنی جنس سے ہو یا جائیں۔ یا غیر جنس سے۔ خواہ اہل عرف اونہیں ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونیکے برتن وغیرہ کہ وہ اوس گھڑت کے سبب جو اونمیں ہوئی۔ ظاہر ثمن نہ رہی۔ ولہذا عقد بیع میں متعین ہو جائینگے اور باینہمہ اونکی بیع شرعاً صرف ٹھیریگی۔ (یعنی ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے ہیں۔ وہ سب اُنمیں مشروط ہونگے اسلئے کہ چاندی سونا ثمن ہونیکے لئے بنائے گئے اور شرع کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی قسم دوم وہ جو ہر حال مبیع ہی جیسے کپڑے اور چوپائے کہ اگرچہ انکے عوض کوئی چیز بیچنا کہیں اور انکا مبادلہ کسی شے کیساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہ ہونگے۔ اور ثمن ہونیکے یہی معنی ہیں۔ تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ جمیع مقایضہ (جسمیں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اُنمیں دونو متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں۔ اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اِسی طرح توجیہ فرمائی ۔

اقول اسمیں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونیکی گھڑی ہوئی چیز مثلاً برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ پر

Marfat.com

دينا فى الذمة بل يتعين فى العقود
كما تقدم عن البحر فان سلم
هذا ورد النقض على ذلك فليتامل
والاظهر عندى الجواب بان
كل سلعة فى المقايضة مبيع
ايضا ولا يمكن ان تصير ثمنا
محضا وان كان لها وجهة الى
الثمنية من حيث ان البيع لا يقوم
الا بالبدلين بخلاف القسم الآتى
فانه تارة يصير ثمنا بحتا و
اخرى مبيعا خالصا فمعنى القسمين
انه لا ينفك عنه كونه ثمنا
او كونه مبيعا بشئ من الاحوال
وآن اعتراه وجهة اخرى ايضا
فى بعض الحال ثم قوله كالثياب
ارسلها ارسالا و اقره الشرح
والحواشى والمراد المختلفة افرادها
ماليّة والا كانت من الثالث
حيث امكن ضبطها بذكر جنس
كقطن وكتان وصنعة كعمل
الشام ومصر ورقة اوغلظة
وذرع طولا وعرضا و وزن ان
بيعت به وبدا يجوز السلم فيها

دَین نہیں ہوتے۔ بلکہ عقد میں متعین ہو جاتے
ہیں۔ جیسا کہ بحر الرائق سے گذرا۔ تو اگر یہ قاعدہ
سالم رہے تو اسپر نقض وارد ہوگا۔ فتامل۔
اور میرے نزدیک صاف جواب یوں
ہے۔ کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے
اور ثمن خالص نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اوس کا ایک
رُخ ثمنیت کی طرف بھی ہی اسلئے کہ مبیع بغیر
ثمن و مبیع دونوں کے نہیں ہو سکتی۔ بخلاف
قسم آئندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے
اور کبھی خالص مبیع۔ تو ان دونوں قسموں کے
معنی یہ ہیں کہ اوسکا ثمن یا مبیع ہونا کسی
حال اوس سے جدا نہ ہو۔ اگرچہ بعض اوقات
اوسے دوسرا رُخ بھی عارض ہو۔ پھر وہ
جو کپڑوں کی مثال گذری۔ مصنف نے
اوسے یوں ہی مطلق چھوڑا۔ اور شرح اور
حواشی میں اوسے برقرار رکھا۔ اور مراد وہ
کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہ ہوں
ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ اون کا
ضبط ہو سکے ذکر جنس سے جیسے روئی اور
کتان۔ یا کارخانہ کے ذکر سے۔ جیسے شام
و مصر کا کام۔ یا پتلے دبیز ہونے سے یا طول و عرض
کی پیمائش سے یا وزن سے۔ اگر تول کر بیچے جاتے ہوں
تو اسی بنا پر لوہے میں بیع سلم یعنی بدنی جائز ہے

Marfat.com

كما عُرف فِي محلّه ٭

وَالثَّالِثُ ما لوصف فی ذاته ثمن تارة ومبيع اخرى ولا اقول كقول التّنوير ثمن من وجه مبيع من وجه ليعود حديث المقايضة **اقول** وانما زدتُ لوصف فی ذاته احترازا عن القسم الرّابع فانّه ايضا يصير مرّة ثمنا واخرى لا لاوصف فيه بل للاصطلاح وعدمه وهذه هی المثليات فانها امّا ان تقابل باحد النّقدين اولا على الاوّل مبيعات مطلقا سواء دخلتها الباء اولا و تعينت اولا كقولك بعتك هذا الذّهب بكُرٍّ بُرٍّ او بهذا الكُرّ فالكُرّ مبيع مطلقا والبيع فی صورة التّعيين مطلق وفی غيره سلم يشترط فيه شرائطه وعلى الثّانی امّا ان تدخلها الباء اولا على الاوّل اثمان مطلقا تعيّنت اولا كقولك بعتك هذا الثّوب بكُرّ بُرّ او بهذا الكُرّ والبيع مطلق فی الوجهين والكُرّ يثبت فی الذّمّة وعلى الثّانی ان تعيّنت فاثمان

جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہو چکا ہے ٭

قسم سوم۔ وہ جنکی ذات میں کوئی ایسا وصف ہو جسکے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہوں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے

اقول میں نے یہ قید کہ اوسکی ذات میں کوئی وصف ہو اسلئے بڑھادی کہ قسم چہارم نکلجائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں۔ بلکہ اصطلاح وعدم اصطلاح کی بنا پر۔ اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں اب اونکا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا اور چیز سے۔ پہلی صورت میں مطلقاً مبیع ہیں۔ چاہے خرید و فروخت میں انکو عوض ٹھیرایا ہو یا سونے چاندی کو اور یہ شے مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا۔ یا ان گیہوں کے عوض بیچا۔ تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہیں تو بیع مطلق ہے اور غیر معین ہیں تو سلم کا اوسکی شرائط لازم ہونگی۔ اور دوسری صورت میں اونکے عوض کوئی چیز بیچنا کہی۔ یا اونکو کسی شے کے عوض بیچنا کہا پہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہونگے خواہ معین ہیں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوں یا ان گیہوں کے عوض بیچا تو بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں۔ اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہونگے۔

اور بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں۔ تو ثمن ہیں

Marfat.com

كبعتك هذا الكر بهذا الثوب او
لا فمبيعات كبعتك كرا بهذا
العبد والبيع سلم بشروطه
والحاصل ان المثلي إن قوبل
بجنسه فمبيع مطلقًا والا فان دخلته
الباء فثمن مطلقًا والا فان تعين
فثمن او لا فمبيع وهذا ايضاح
ما حرره الشامي مع احسن ضبط
لا يوجد فيه ٭

والرابع ماهو سلعة بالاصل
وثمن بالاصطلاح كالفلوس
فما دام يروج فكثمن والا عاد
لاصله ولا شك ان المصطلحين
اذا ارادوا ان يجعلوا سلعة ثمنا
لا بد لهم ان يرجعوا في تقديرها
الى الثمن الخلقي فان ما بالعرض
لا يتقوم الا بما بالذات فيجعلون
اربعة وستين من الفلوس الهندية
او احدى وعشرين من الهللات
العربية بربية. وهكذا في غيرها
وهم في ذلك بالخيار يصطلحون
كيف يشاءون اذ لا مشاحة في
الاصطلاح وقد كان قبل نحو عشرين[20]

جیسے یوں کہا۔ کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے
عوض بیچے۔ اور معین نہ ہوں تو مبیع ہیں۔ جیسے یوں
کہے۔ کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے
بیچے اور بیع سلم ہے اوسکی شرطیں کیساتھ۔ اور خلاصہ کلام
یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقاً
مبیع ہے۔ ورنہ اگر اوسکے عوض بیچنا کہیں تو مطلقہ
ثمن ہے۔ ورنہ اگر معین ہو۔ تو ثمن ہے۔ اور غیر معین ہو تو
مبیع۔ یہ اوسکا ایضاح جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا
مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں ٭

اور قسم چہارم وہ کہ حقیقۃً کوئی متاع
ہے۔ اور اصطلاحاً ثمن۔ جیسے پیسے۔
تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ہیں۔ ورنہ
اپنی اصل کی طرف لوٹ جائینگے۔ اور اصلاً
شبہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن
کرنا چاہیں۔ تو انہیں اوس کے اندازہ
میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنی ناگزیر
ہے۔ کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے
ہوتا ہے۔ تو ۶۴ ہندی پیسے۔ یا
اکیس (۲۱) عربی ہللے ایک روپے
کے قرار دیتے ہیں۔ یوں ہی اس کے
ماسوا میں۔ اور انہیں اختیار ہے
جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں۔ کیونکہ
اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں۔ بیس[20]

سنةً فی الدیار الھندیۃ قسمان
من الفلوس یروجان احدھما
مضروبٌ والاخر قطعةٌ نحاس
مستطیلة الشکل نحو نصف الفلس
المضروب فی الوزن - وکان من
المضروب اربعة وستون بربیۃ
لا تزید ولا تنقص ومن الاخر
یختلف السعر وربما صار ثمانون
منه بربیۃ الی ان کسد و نقد
فکل ذلک راجع الی الاصطلاح و
لا حجر فیه من جھة الشرع الشریف
اذا علمت ھذا فالنوط ھو من القسم
الرابع سلعة باصله لانه قرطاس
وثمن بالاصطلاح لانه یعامل به
معاملة الاثمان وھذه الرقوم
المکتوبة علیه تقدیرات ثمنیۃ
بالثمن الاصلی کما علمت. فھو
اصطلاح لا مضایقة فیه ولا یسأل
له عن وجه وتوجیه وقد تبین
بھذا التقریر والحمد للہ الفتاح
القدیر حقیقة النوط وانما سائر
الاحکام بھا منوط فاذن لا یعتریه
انشاء اللہ تعالیٰ فی ابانة شئ من

برس پہلے ہندوستان میں دو طرح
کے پیسے رائج تھے۔ ایک سکہ زدہ (ڈبل)
دوسرے تانبے کے لمبے لمبے ٹکڑے
وزن میں ڈبل پیسے سے قریب دونے کے
(منصوری) ڈبل پیسے روپے کے ۶۴ سے
نہ زائد ہوتے۔ نہ کم۔ اور منصوری کا بھاؤ
گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔ اور کبھی ایک روپیہ
کے اسّی ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ چلن
نہ رہا۔ اور جلتے رہے۔ تو یہ سب اصطلاح
کی جانب راجع ہے۔ اور اس میں شرع مطہر
کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ
معلوم ہو لیا۔ تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے۔
اصل میں یہ ایک متاع ہے۔ اس لئے کہ
ایک پرچہ کاغذ ہے۔ اور اصطلاح میں ثمن
ہے۔ اس لئے کہ اوس کے ساتھ ثمن کا سا
معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ رقمیں کہ اوس پر
مرقوم ہیں۔ یہ اوس کی ثمنیت کا ثمن
اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا
تو ایک اصطلاح ہے۔ اوس میں کچھ
مضائقہ نہیں۔ نہ اوس کی وجہ و توجیہ
دریافت کی جائے گی۔ بحمداللہ القدیر اس تقریر
سے نوٹ کی حقیقت واضح ہو گئی۔ اور تمام احکام
اسی پر مبنی تھے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ اب کوئی دشواری

Marfat.com

الاحکام اشکال - والحمدُ للّٰہ المھیمن المتعال ؛

س۱ ھل النوط مال ام سند؟

امّا السّوال الاوّل

فقد بان الجواب مع المزید ولا احتیاج الیٰ ان نزید

س۲ ھل یجب فیہ الزکوٰۃ

وَامّا الثّانی

فَاقولُ نَعَمْ تجب فیہ الزکوٰۃ بشروطھا لما علمتَ انّہ مال متقوّم بنفسہٖ ولیس سندا و تذکرۃ للدّین حتّٰی لا یجب اداؤھا مالم یقبض خمس نصاب ولا حاجۃ فیہ الیٰ نیّۃ التّجارۃ لانّ الفتویٰ علیٰ انّ الثّمن المصطلح تجب فیہ الزّکوٰۃ مادام رائجًا بل لا انفکاک لہ عن نیّۃ التّجارہ لانّہ لا ینتفع بہ الّا بالمبادلۃ کما لا یخفٰی فی فتاویٰ قارئی الھدایۃ الفتویٰ علیٰ وجوب الزّکوٰۃ فی الفلوس اذا تعومل بھا اذا بلغت ما تساوی مائتی درھم من الفضّۃ او عشرین مثقالًا من الذّھب اھ والنّوط المستفاد

کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئیگی - اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے - بلندی والا +

مسئلہ نوٹ مال ہے کوئی دستاویز نہیں

جواب سوال اوّل

مع شئے زائد واضح ہولیا - اور بڑھانے کی ضرورت نہیں +

مسئلہ نوٹ پر زکوٰۃ فرض ہے

جواب سوال دوم

ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے - اس لئے کہ آپ نے جان لیا - کہ وہ خود قیمتی مال ہے - دستاویز یا رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصّہ قبضہ میں نہ آئے - زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو - اور نوٹ میں نیّت تجارت کی بھی حاجت نہیں - اسلئے کہ فتوٰے اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جبتک رائج ہے زکوٰۃ اوس میں واجب ہے - بلکہ نوٹ کو نیّت تجارت سے اصلاً جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اوس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے فتاوٰے علامہ قاری ہدایہ میں ہے - فتوٰی اس پر ہے کہ پیسے جبتک رائج رہیں - اونپر زکوٰۃ واجب ہے - جبکہ دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت پہنچے ہوں - انتہٰی - اور نوٹ جو

Marfat.com

قبل تمام الحول يضمّ الى نصاب من جنسه او من احد النقدين باعتبار القيمة كاموال التجارة ٭

سال زکوٰۃ تمام ہونیسے پہلے ملے - وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگاکر سونے چاندی سے ملایا جائیگا - جیسا تجارتی مال کا حکم ہے ٭

وامّا الثالث

فاقولُ نعم يضمّ مهرالما علمت اذا كانت قيمته وقت العقد سبع مثاقيل من فضة فاِنْ اقلّ يتمّ كما فى العروض ٭

جواب سوالِ سوم

اقول ہاں وہ مہر ہوسکتا ہے اوسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقتِ عقد اوسکی قیمت سات مثقال چاندی ہو - اگر کم ہوگی - تو پوری کیجائیگی جس طرح اسباب میں ہے ٭

وَاَمّا الرّابعُ

فاقول يجب القطع بشروطه من تكليف ونطق وبصر وحرز تام وغيرها اذا بلغت قيمته كلا يوفى السّرقة والقطع عشرة دراهم مضروبة جيادا وذلك كله لما بيّنا انه مال متقوّم بنفسه ٭

جواب سوالِ چہارم

نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائیگا جبکہ اوسکی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو - گیگانہو اندھا نہو - نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو - اور اسکے سوا جو شرائط ہیں - اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اوسکی قیمت تین سو درہم سکہ دار کھری تک پہنچی - اور یہ سب اوسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کرآئے کہ وہ بذاتِ خود ایک قیمت والا مال ہے ٭

وَاَمّا الخامِسُ

فاقول نعم يضمن بالاتلاف بمثله ولا يجبر المتلف على اداء الدّراهم خاصة لانّ النّوط

جواب سوالِ پنجم

اقول ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے تو اوسکو ہاں میں نوٹ ہی دینا آئیگا - اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائیگا کہ نوٹ

Marfat.com

علدی غیر متفاوت اصلاً اذا اتحد دار ضربه نعم اذا اختلفت ولو اتحدت السلطنة فربما تختلف القيمة وذلك ان نوط الله اباد او الله اباد وكلكتة يروج فی ممالك الهند المشرقية الشمالية اكثر مما يروج نوط بنبئی و بالعكس وربما يشتری بنوط مكان فی اخر بنقص عدة انات من رقمه المكتوب عليه فلا يعد احدهما مثل الآخر الا اذا استويا رواجًا ✦

وہ چیز ہے جس کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور دو نوٹوں میں اصلاً تفاوت نہیں سمجھا جاتا جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں۔ ہاں ٹکسال جب مختلف ہو۔ تو اگرچہ سلطنت ایک ہو۔ اکثر قیمت مختلف ہو جاتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ نوٹ الہ آباد یا الہ آباد کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے۔ و بالعکس۔ اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے۔ تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں ✦

وَامّا السّادس

فاقول نعم يجوز كما تعامله النّاس فی عامّة البلاد وقد علمتَ تحقيقه **تنبيه** كنتُ قنعتُ فی الجواب بهٰذا القدر لوضوح الامر بما قررته فی الصّدر فاذا انهيتُ الرّسالة بلغنی عن بعض الافاضل[1] انه حفظه الله تعالٰی قال مذاكرة لا مجادلة ان العلّامة ابن عابدين ذكر فی ردّ المحتار

جواب سوالِ ششم

اقول۔ ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عملدرآمد ہے۔ اور تم اوس کی تحقیق جان چکے۔ **تنبیہ**: مَیں نے جواب میں اسی پر اکتفا کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری اوس سے امر واضح ہو چکا تھا۔ جب میں رسالہ ختم کر چکا مجھے بعض[1] علماء سلمہ اللہ تعالٰی سے خبر پہنچی کہ انہوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردّ المحتار میں

[1] یعنی فاضل حامد احمد محمد جدّادی سلمہ ۱۲

Marfat.com

تفريعًا على ان من شروط انعقاد البيع كون المعقود عليه مالا متقوما انه لم ينعقد بيع كسرة خبز لان ادنى القيمة التي تشترط لجواز البيع فلس اه ومعلوم ان هذا القدر من القرطاس لا يساوي فلسًا اي فيكون البيع باطلًا غير منعقد اصلًا فضلًا عن الحرمة والكراهة

اقول وبالله التوفيق هذا اقالرقيل ان يطالع رسالتي ولذلك وددت انه سلمه رتبة طالعها واطلع على ما فيها والجواب ظاهر بملاحظة قوله لا يساوي فلسًا فبون بين بين لا يساوي ولم يكن يساوي لانه الان يساوي مائة والفا والنظر للحال لا للاصل۔

الا ترى ان بيع اواني الخزف والطين كبارها وصغارها من الحب والجفنة الى نحو راس الشيشه شائع ذائع بين عامة المسلمين ولم ينكره احد مع ان اصله تراب والتراب ليس بمال۔ بل لو نظر للاصل لعادت مسئلة الفلس الملتمسك بها على نفسها

اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا ہے یہ تفریع ذکر کی۔ کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے۔ کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت ہونا شرط ہے۔ انتہی۔ اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ کا ایک پیسہ کی قدر نہیں۔ تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہیئے۔ کہ اصلًا ہو ہی نہیں سکتی۔ حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار ۔

اقول وباللہ التوفیق۔ اون عالم نے یہ بات میرا رسالہ دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی۔ کہ کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے۔ اور اُسکے مضامین پر مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود اُنکے اس کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک پیسہ کا نہیں اسلئے کہ اب تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شئی کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی۔ کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے اور بڑے گولی اور کونڈے سے لے کر چلم تک اُن کی بیع تمام مسلمانوں میں رائج و معروف ہے۔ اور کوئی اس پر انکار نہیں کرتا۔ حالانکہ اُن کی اصل مٹی ہے۔ اور مٹی مال نہیں۔ اگر اصل کو دیکھیں۔ تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود اپنے ہی نفس کا

(مطلب) ینظر فی الفرق بین الفلس والاناء من الخزف

(مطلب) ینظر فی بیع الاواني من الخزف والطين

Marfat.com

بالنقض لما علمت انّ قطعة نحاس
بوزن فلس لا تساوی فلسًا قطّ۔
بل لا تبلغ نصفه ایضا ولذا
اولعت الحجازفون باصطناع قوالب
کقالب دار الضرب یذیبون النحاس
ویصبونه فیها فیصیر فلوسا و
یربحون به ضعف ما خسروا و
یقولون انه انفع من ضرب الربابی
فبالنظر للاصل لا یساوی الفلس
نفسه فلسًا فلا یکون مالا متقوما
فکیف یکون قیمة وثمنا۔ ومن
تأمل حدیث ورقة علم الذی
قدمنا علم ان الشئ انما ینظر
الیه بما هو علیه الان لا بما قد
کان الا تری ان العالم معظم شرعًا
وعقلًا وعُرفًا ولا نظر الی انه فی
الاصل من النطفة قال الله تعالیٰ فیهم
هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا ۙ وَمَاذَاكَ لِاَنَّهٗ
بحدوث وصف فیه صار متقوما
عند الله وعند الناس بعد ان
لم یکن وکذلك ورقة العلم لما
تجدد فیها من کتابة ذلك العلم

ناقص ہوگا۔ اِسلئے کہ تمہیں معلوم ہوچکا کہ تانبے
کا پتر جو وزن میں ایک پیسے کے برابر ہو۔ ہرگز
ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے
بیباکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی ہے
ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اوس میں
ڈالتے ہیں۔ کہ پیسہ ہوجاتا ہے اور اُسمیں جتنا خرچ
ہوتا ہے۔ اُس سے دُونا نفع مِل جاتا ہے۔ اور
اُسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں۔
تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسہ کا نہیں
تو مال متقوم نہ ہُوا۔ تو پھر کیونکر قیمت اور ثمن ہوسکتا
ہے۔ اور ورق کی بات کہ اوپر گذری جو اوسے
دیکھیگا۔ یقین کرے گا۔ کہ شئے کی حالتِ موجودہ
دیکھی جاتی ہے۔ نہ حالتِ گذشتہ۔ کیا
نہیں دیکھتے۔ کہ شرع میں عقل میں۔ اور
عُرف میں عالِم کی تعظیم ہے۔ اور اس امر
پر نظر نہیں۔ کہ وہ اصل میں اون لوگوں
سے ہے جن کی نسبت رب عزّ وجل نے فرمایا کہ

اللہ وہ ہی جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے
اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ تو یہ اسی
سبب سے ہے کہ اوسمیں ایک ایسا وصف پیدا ہوگیا
جس کے سبب خالق اور مخلوق سب کے نزدیک اُسکی
عزت ہوگئی۔ جو پہلے نہ تھی۔ اور ایسے ہی وہ علم کا
ورق اِسوجہ سے کہ اُس میں وہ علم لکھ دیا گیا

Marfat.com

وكذلك النوط لما حدث فيه بذاك الرقم والطبع - ما استجلب الرغبات اليه للنفع وصار يميل اليه الطبع ويجري فيه البذل والمنع

ولا قيمة للايراد بانه لا يمشى في كل البلاد فان هذا ليس من لوازم المالية عند احد بل هذا هو حال اكثر العملة المضروبة الا ترى ان الخمسات والعشرات والهللات الرائجة ههنا لا تروج في الهند اصلا وكذلك لا تمشى فلوس الهند ههنا - بخلاف النوط فان نوط الهند نافق ههنا بالمشاهدة وبعض النقصان لا يمنع المشى ولا يوجب الكساد بل قد اصطرفت انا في ذي الحجة هذا بهذه البلد الامين نوطا افرنجيا معلما برقم خمسمائة دبية بثلثة وثلثين جنيها وخمس دبابى و هذا ثمنه سواء بسواء فالجنيهات بار بعمائة وخمس وتسعين وهي مع الخمس خمس مائة (دبية)

اور ایسے ہی نوٹ جس میں چھاپے کے سبب وہ بات پیدا ہو گئی ہے جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اُس کی طرف کھینچ لیا۔ اور طبیعتیں اُسکی طرف میل کرنے لگیں۔ اور اُسمیں دینا اور روکنا جاری ہوا

اور یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم نہیں۔ بلکہ سکہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے۔ کیا نہیں دیکھتے۔ کہ خمسے اور عشرے اور ہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہیں۔ ہند میں اصلاً نہیں چلتے۔ اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے۔ بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے۔ اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں۔ نہ اس سے بے رواجی لازم ہے۔ بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا۔ اور یہ اوس کا پورا ثمن ہوا کہ وہ اشرفیاں چار سو پچانوے روپے کی ہوئیں۔ اور وہ اون پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو روپے ہو گئے +

Marfat.com

وقد قال فی الکفایۃ اوائل باب البیع الفاسد اق صفۃ المالیۃ للشیء بتمول کل الناس او بقول البعض آیاہ اھ ومثلہ فی فتح القدیر. وفی ردّ المحتار عن البحر ائق عن الکشف الکبیر المال ما یمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ والمالیۃ تثبت بتمول الناس کافۃ او بعضھم اھ فتبین ان الفرع المذکور المتمسک بہ لا مساس لہ بما نحن فیہ۔

ولکنّ العبد الضعیف یحبّ ان یکشف الحجاب عن حالہ ایضًا۔ کیلا یغترّ بہ فی محل اخر مع ما فیہ من تجییر ما وسّعہ الشرع المطہر فاقول وبہ استعین اصل الفرع للقنیۃ فردّ المحتار نقلہ عن البحر والبحر نقلہ عنھا و تبعہ تلمیذہ العلامۃ الغزی وبالغ حتی ادخلہ فی متنہ فی متفرقات البیوع قبیل القرف مع خلو اصلہ اعنی القنیۃ والدرر عنہ وقد رتّبہ شارح العلامۃ العلائی

(ماخذ) تنویر الابصار متفرقات البیوع کتاب الحظر سے کچھ پہلے داخل فرمایا۔ حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر و غرر اُس سے خالی ہے۔ اور اُس کے شارح علامہ علائی نے

(ماخذ) تنویر الابصار متفرقات البیوع کتاب الحظر سے کچھ پہلے داخل فرمایا۔ حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر و غرر اُس سے خالی ہے۔ اور اُس کے شارح علامہ علائی نے

اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شئے کا مال ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اوسے مال بنائیں۔ یا بعض انتہی۔ اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ اور ردّ المحتار میں بحوالہ بحر الرائق کشف کبیر سے نقل کیا۔ کہ مال وہ ہے۔ جس کی طرف طبیعت میل کرے۔ اور وقت حاجت کے لئے اُسکا اُٹھا رکھنا ممکن ہو۔ اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اوسے مال بنائیں انتہی تو ظاہر ہو گیا کہ وہ پیسہ کا جس سے اون عالم نے تمسک کیا۔ ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا

مگر بندہ ضعیف دوست رکھتا ہے کہ اوس مسئلہ کا حال بھی کھولدے تاکہ کہیں دوسری جگہ کوئی اوس سے دھوکا نہ کھائے۔ باوصف اُس وقت کے جو ہمیں ہے کہ سنے ایسی چیز کو تنگ کر دیا جسے شرح مطہر نے وسیع فرمایا تھا۔ فاقول وبہ استعین اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے۔ ردّ المحتار نے اوسے بحر سے نقل کیا۔ اور بحر نے قنیہ سے۔ اور اُن کے شاگرد علامہ غزی نے اُنکی متابعت کی۔ اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اوس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع کتاب الحظر سے کچھ پہلے داخل فرمایا۔ حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر و غرر اُس سے خالی ہے۔ اور اُس کے شارح علامہ علائی نے

الى القنية بل اعترف به المصنف
نفسه فى شرحه منح الغفار فقال
بعد ايراده متنًا نقله فى القنية
ايضًا اه اى كما نقل المسئلة
قبله فيها وهى صحة بيع حمام كثير
وهبته والقنية مشهورة بضعف الرواية
وصرحوا انها اذا خالفت المشاهير
لم تقبل بل قد نصوا انها
اذا خالفت القواعد لم تقبل
ما لم يعضدها نقل معتمد
من غيرها والعبرة بالمنقول
عنه لا بالناقل وبكثرة النقول لا
تندفع الغرابة اذا لم يكن مستندهم
الا واحدا كما بينت كل ذلك فى
آداب المفتى سميته فصل القضاء
فى رسم الافتاء وحكم فى الظهيرية
استحباب القيام بعد سجود التلاوة
مثل ما قبله ونقله عنها فى التتارخانية
والغنية والمضمرات وعنها فى البحر
ومشى عليه فى الدر وغيره ومع
ذلك حكم فى البحر انه غريب قال الشامى
وجه غرابته انه انفرد بذكره
صاحب الظهيرية ولذا عزاه من بعده

(مطلب) فى آداب المفتى ومن لقبه فى الفتوى

اوسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا۔ بلکہ خود مصنف نے
اوس کی شرح منح الغفار میں اُس کا اعتراف فرمایا
تمن کی اُس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ
میں نقل کیا۔ انتہٰی یعنے جیسے اس سے پہلا مسئلہ بھی
قُنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ
جو کثیر ہو۔ اوس کی بیع وہبہ صحیح ہے۔ اور قُنیہ مشہور ہے
کہ اوسکی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں۔ اور علماء
نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی
مخالفت کرے مقبول نہ ہوگی۔ بلکہ نص فرمایا ہے
کہ قُنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی
جبتک اوسکی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی
جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا۔ اور
نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی
جبکہ ایک ہی منقول عنہ اون سب کا منتہٰی ہو۔
جیسے کہ مَیں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اُس کتاب
میں کر دیا جو آداب مُفتی میں لکھی جسکا نام میں فصل القضاء
فی حکم الافتاء رکھا۔ اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدۂ تلاوت کے
بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اُس سے پہلے اور یہ مسئلہ تاتارخانیہ
اور غنیہ اور مضمرات نے نقل کیا۔ اور ان سے بحر میں اور در
وغیرہ میں اسی پر چلے۔ باوصف اس کے بحر میں حکم
فرمایا کہ وہ غریب ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا۔ اُسکی
غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو
ذکر کیا۔ اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط

Marfat.com

اليها فقط اھ

وَانتَ تعلمُ ان الفرع القنية لم يزق من النقول هذا القدر ايضًا ولا القنية كالظهيرية فانّى تغرب عنه الغرابة و يا ليته لم يكن الا غريبًا فيكون كالشاذ لكنه كالمنكر لان كلتا المخالفتين نقد وقته. مخالفة المشاهير و مخالفة قواعد الشرع المنير اما الاولى فلقد كان ناهيك فيها قول الفتح والشرنبلالى والطحطاوى و ردّ المحتار وغيرها من معتمدات الاسفار لو باع كاغدة بالف يجوز وجزاهم اللهُ الحسنٰى و زيادة على زيادة ثناء الواحدة فى كاغدة لكن ههنا شئ اخر اجلّ و اكبر لا يرد ولا يرام ولا يمسّ غباره الاوهام وهو اجماع ائمتنا جميعًا فى الروايات الظاهرة عنهم و اطباق متون المذهب و شروحه وفتاواه على جواز بيع تمرة بتمرتين وجوزة بجوزتين و زادفى الفتح والله ابرة بابرتين

اوسی کی طرف اوسے نسبت کیا۔ انتہیٰ۔

اور تو جانتا ہے۔ کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہوئیں۔ اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے۔ تو غرابت اوس سے کہاں جائیگی۔ اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا۔ تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو حدیث منکر کے ہے اسلئے کہ دونو مخالفتیں اوس کی نقد وقت ہیں۔ کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلی مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا۔ کہ فتح القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور ردّ المحتار وغیرہا معتمد کتابوں میں فرمایا۔ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا۔ تو جائز ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اونہیں بھلائی اور اوس سے زیادہ جزا دے۔ کہ اونہوں نے کاغذ میں تلئے وحدت بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور چیز ہے۔ نہایت جلیل وعظیم کہ نہ رد ہوسکے۔ نہ اوسپر کوئی آنکھ اٹھاسکے۔ نہ اوہام اس کی گرد پائیں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے اُن روایات میں جو اُن سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے اور متون و شروح و فتاوٰی مذہب کا اتفاق ہے کہ ایک چھوہارا دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے اور فتح القدیر و ردّ المحتار میں یہ بھی زائد کیا کہ دوسیوں کے بدلے ایک سوئی

وكل احد يعلم ان ليس شئ منها
يساوي فلسا ففي بلادنا تكون
عدة صالحة من التمر بفلس وهو
ههنا ارخص وكذلك الجوز
وهو ارخص في بلادنا وثمه تجد
الابر بفلس من ثمان الى خمس و
عشرين فهذه مخالفة بينة
لجميع المشاهير بل لنصوص جميع
ائمة المذهب والمحقق حيث
اطلق وان رجح رواية المعلى عن
محمد بكراهة تمرة بتمرتين لكنه
لاجل التفاضل لا لان تمرة لا
يساوي فلسا فلو باع تمرة من البرني
بتمرة من الجنيب مثلا لم تمسه
رواية المعلى ولا ترجيح المحقق
ثم الرواية ايضا لا تقول الا بالكراهة
فاين البطلان وعدم الانعقاد
الذي كنتم تدعون واما الثانية

(مطلب) رده بالمعقول

فاقول اكثر تعيش الفقراء
في مملكة الهند على كبرها
واتساعها (فان عمارتها عرضا
من ثمان درج شمالية عن
خط الاستواء الى خمس وثلثين

اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک
پیسہ کی نہیں ہوتی۔ ہمارے شہروں میں معقول گنتی
کے چھوہارے ایک پیسہ کے ہوتے ہیں اور یہاں
اور بھی سستے ہیں۔ اور ایسے ہی اخروٹ۔ اور وہ
ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں۔ اور ہندوستان
میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لیکر پچیس ۲۵ سوئیاں تک
ملتی ہیں۔ تو اوس مسئلہ قنیہ کی یہ صریح مخالفت
ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے
اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد
سے امام معلی کی اس روائت کو ترجیح دی کہ دو چھوہارے
کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے۔ مگر وہ کراہت
ایک جانب زیادتی کے سبب سے ہے۔ نہ اس لئے کہ
چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا نہیں ہوتا۔ تو اگر
مثلاً ایک چھوہارا قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک
چھوہارے سے بیچے۔ تو اوس سے نہ روائت معلی
کو کچھ تعلق ہوگا۔ نہ ترجیح محقق کو پھر وہ روائت بھی تو
اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ بیع باطل اور اصلاً منعقد نہ ہونا جس کا
تمہیں دعویٰ تھا۔ وہ کہاں گیا۔ رہی دوسری مخالفت

(ف) دلیل عقلی سے فرع عقلیہ کا رد

فاقول۔ ملک ہند کہ اسقدر کبیرہ
وسیع ہے (جسکا عرض خط استوا سے شمال
کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس ۳۵

Marfat.com

درجة وطولا من ست وستين درجة
شرقية (عن قريتص الى اخنتين و
تسعين درجة) انما هو بالمبايعات
باجزاء فلس نصف وربع و ثمن و
غيرها فرب فقير يشترى لادامه شيئا
من البقول بنصف فلس ويصب فيه
دهن الشيرج بنصف فلس والتوابل
الثلث جميعا بربع فلس والثوم و
البصل معا بربع فلس وكذا الملح
بربع فلس فتتهيئو له الادام في
فصلين الا ربعا ويأكله غداء
وعشاء ويشترى لسراجه الدهن
بنصف فلس يكفيه من المساء الى
قريب نصف الليل وقربة كبيرة
من الماء العذب بنصف فلس و
قد كانت قبيل هذا بثلث فلس
وتجد غلبة الكبريت بنصف فلس
ويشترى لعياله من الذ فواكه
الهند المشهورة عند العرب باسم
العنب بفتح العين وسكون النون
وبالفارسية انبه وبالهندية ام
بجملة كثيرة بنصف فلس وكذا
من الجامون ومن الثمر الهندى بربع فلس

درجے تک ہے۔ اور طول گرینچ سے (کہ لندن
کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ
درجے بانوے درجے تک ہے) اس میں اکثر
فقراء کی معیشت اوسی خرید فروخت سے ہے۔
جو پیسے کے چھتے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے
ہوتی ہے۔ تو تیرے فقیر اپنے سالن کیلئے کوئی
ساگ دھیلے کا خرید لیتے ہیں۔ اور اُسمیں دھیلے کا
تیل ڈالتے ہیں۔ اور تینوں مسالے چھدام کے اور
لہسن پیاز چھدام کے۔ اور چھدام کا نمک تو پونے
دو پیسے میں اوسکی ہانڈی تیار ہو جاتی ہے۔ اور
اوسے صبح و شام دو وقت کر کے کھا لیتا ہے۔
اور اپنے چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خرید لیتا ہے جو
شام سے آدھی رات تک اوس کے لئے کافی
ہوتا ہے۔ اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے
کو۔ اور تھوڑا ہی زمانہ گذرا کہ پیسے کی تین مشکیں
تھیں۔ اور دریا سلائی کی ایک ڈبیہ تمہیں
دھیلے کو مل جاتی تھی۔ اور اپنے بال
بچوں کے لئے ہندوستانی میووں
میں سب سے خریدار میوہ (جیسے اہلِ
عرب عنب (بفتح عین وسکونِ نون)
کہتے ہیں۔ اور فارسی میں انبہ اور ہندی میں
آم بہت سے ایک دھیلے کو۔ اور ایسے
ہی جامن اور تمر ہندی یعنی املیان چھدام کو

Marfat.com

وان کان متعودا بالتناول والتُّتن
فیکفیه لیوم بلیلة الورق بنصف
فلس والفوفل والکات والتنباك
المأکول کل بربع دُبع فتنقضی حاجة
یومه فی فلس ودُبع وانکان یشرب
الدخان فیکفیه التُّتن بنصف
فلس وامثال ذٰلك اشیاء کثیرة
تُباع بأجزاء الفلس حتی الثمن و
نصف الثمن ولولا ذٰلك لضاق
الامور وثقل علی الخفاء ذات الید
بحیث لا یطیقون ولو ابطلنا
تلك البیاعات الشائعة فی الاف
مؤلفة من المسلمین والزمناهم
ان لا یشتروا شیئا باقل من فلس
قط ومع ان حاجاتهم تندفع بالربع
و بالثمن لکان هذا من وضع الاصر
علیهم وما جاءت هذه الشریعة
السمحة السهلة الغراء الا برفعة
وربما لا یجدون هذا القدر من
الفلوس فات الادام الذی کان
تهیئا فی فلس واحد وثلثة ارباع
فلس الان لا یتاتی الا فی ثمانیة
فلوس والتناول التلم فی فلس ودُبع

اور اگر پان تمباکو کا عادی ہے۔ تو اوسے
ایک رات دن کے لئے کفایت کریں گے
دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا۔ اور
کھانے کا تمباکو چھدام چھدام کے۔ تو اوسکی
ایک دن کی حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی
اور اگر حقہ پیتا ہو۔ تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے۔
اور اسی طرح بہت سی چیزیں پیسہ کے
حصّوں سے بکتی ہیں۔ یہاں تک کہ دمڑی
اور ادھی۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو معاملہ تنگ
ہو جائے۔ اور کم استطاعت والوں پر ایسا
گراں گذرے۔ کہ اُٹھا نہ سکیں۔ اور یہ بیعیں
کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں۔ اگر
ہم باطل کر دیں۔ اور اُن پر لازم کریں۔ کہ
کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ
اُن کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری
ہو جاتی ہیں۔ تو یہ اُن پر بھاری بوجھ ڈالنا
ہوگا۔ اور یہ روشن و نرم اور آسان
شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے
کے لئے کو۔ بلکہ اکثر اوقات اتنے پیسے
اونہیں ملیں گے بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ
سالن جو پونے دو پیسے میں طیار ہوتا تھا۔
اب دو آنے سے کم میں طیار نہ ہوگا۔ اور
پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا

Marfat.com

لا یتم الا فی اربعۃ فلوس وقس علیہ
فاذا لم یجد لادامہ الا فلسین
والزمتموہ بثمانیۃ فماذا تامرون
ایکتفی بسف الدقیق او قضم
خبز الشعیر وحدہ بدون ادام
یصلحہ ویسیغہ ویعین علی
ھضمہ والمعتادون بالادام وھم
الناس کلھم اوجلھم لو اکتفوا
بھذا لم یلائمھم واورث آسقاما
فیھم فان ترک العادۃ عداوۃ
مستفادۃ ام یتکفف والتکفف
ذل وحرام ام یغصب وفی الغصب
اشد الغضب والانتقام۔ آمر
یؤمر البیاعون والبقالون والسقاؤن
ان یعطوہ جمیع حاجاتہ مجانا
لانھا لا تساوی فلسا وما لا
یساوی فلسا فلیس بمال ولا قیمۃ
لہ فھم کیف یرضون بھذا وإن
رضوا فلا ترجیح لفقیر علی فقیر
فلیعطوا کل حوائجہ فتذھب متاجرھم
بلا شئ فاذن لا سبیل الا فتح
باب البیع وقد فتحہ القرآن
بقولہ تعالی مطلقا وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ

اب ایک آنہ میں ہوگا۔ اور اسی پر قیاس کرو
تو وہ جب اپنی ہانڈی کیلئے دو پیسے سے نائد نہ
پائے۔ اور تم دو آنے اوسپر لازم کرو۔ تو بتاؤ۔ کیا کرے
آیا روکھا سوکھا پھانکے۔ یا جو کی خشک روٹی چبائے
جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہو۔ کہ اُسکی اصلاح
کرے۔ اور اُسے نگلنے کے قابل بنائے۔ اور اُس کے
ہضم پر اعانت کرے۔ اور جنہیں سالن کی عادت پڑی
ہوئی ہے۔ اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر
قناعت کریں تو انہیں راس نہ آئے۔ اور انمیں بیماریاں
پیدا کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا
ہے۔ یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے۔ اور بھیک مانگنا
ذلت و حرام ہے۔ یا دوسرے کا مال چھین لے۔ اور
چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے۔ یا بیچنے والوں
اور ترکاری فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائیگا۔ کہ
انکی تمام حاجت کی چیزیں انہیں مفت دے دیں
اسلئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں۔ اور جو
ایک پیسہ کی نہیں۔ وہ مال نہیں۔ اور نہ اسکی کوئی
قیمت۔ تو بیچنے والے اسپر کیونکر راضی ہونگے اور اگر
راضی ہوجائیں۔ تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح
نہیں۔ تو چاہیے کہ ہر ایک کو اسکی ضروریات مفت
دیں تو انکی تجارتیں یوں ہی جاتی رہیں۔ تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ
نہیں بجز اسکے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے۔ اور بیشک قرآن عظیم نے
اسی اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے۔ کہ حلال کی اللہ تعالی نے بیع

وقوله تعالىٰ الا ان تكون تجارة عن
تراض منكم وما كان شرع البيع
الا لدفع تلك الشنائع ففي تجويزه
وقد وسعه الله اعادة لها وعود
على مقصود الشرع بالنقض قال
المحقق في الفتح لو لم يشرع البيع
سببا للتمليك في البدلين عند الاحتياج
ان يؤخذ على التغالب والمقاهرة
او السؤال والشحاذة او يصبر
حتى يموت وفي كل منها
ما لا يخفى من الفساد وفي
الثاني من الذل والصغار ما
لا يقدر عليه كل احد وفيه
بصاحبه فكان في شرعيته بقاء
المكلفين المحتاجين ودفع
حاجاتهم على النظام الحسن اه
ومعلوم ان الشرع لم يحد
في هذا حدا انما اصل
البيع وهو مبادلة مال بمال الخ
والمالي كما مر ما يميل اليه
الطبع ويمكن ادخاره لوقت
الحاجة وهذا صادق قطعا
على ما قصصنا مما يساوي

اور اس ارشاد سے مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری
آپس کی رضامندی کا۔ اور بیع کا مشروع کرنا
انہی قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا۔ تو اسکے تنگ
کرنے میں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے واسع فرما چکا
انہی قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع
پر اسکے تیرنے کیساتھ عود کرنا ہے۔ محقق نے فتح القدیر
میں فرمایا۔ اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب
بنا کر جائز نہ کی جاتی۔ تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی
یا دھینگا دھینگی لیتے۔ یا بھیک مانگتے۔ یا آدمی صبر کرتا
یہاں تک کہ مر جائے۔ اور ان سب باتوں میں کھلا
ہوا فساد ہے۔ بھیک میں ذلت و خواری ہر
جس پر ہر شخص قادر نہیں۔ اور آدمی کو حقیر کرتی
ہے۔ تو بیع کے مشروع کرنے میں مکلفوں کی بقاء ہے۔ اور عمدہ انتظام
کے ساتھ اُن کی حاجتوں کا پورا کرنا ہے
انتہیٰ۔ اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے
اس بارے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی۔
بس بیع حلال کی ہے۔ اور وہ ایک
مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے۔ الخ
اور مال جیسا کہ گذر چکا وہ چیز ہے جس کی
طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کیلئے اوسکا
اوٹھا رکھنا ممکن ہو۔ اور یہ تعریف یقیناً اون
چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو

Marfat.com

نصف فلس و ربعه فايجاب ان
لا يكون الا بفلس لا يكون الا تحكما
و زيادة فى الشرع فكيف يقبل ثم
لعل لقائل ان يقول لم يات الشرع
بتقدير الفلس وهو مختلف باختلاف
الزمان والمكان ولا سبيل الى اعتبار
كل فى محلة لما تقدم ان المالية
تثبت بتمول البعض فوجب الفحص
كل حين عن اصغر فلس يروج فى
الدميا وفيه حرج والحرج مدفوع
بالنص وقال فى الكفاية اول
البيع الفاسد قد تثبت صفة
التقوم بدون المالية فان حبة
من الحنطة ليست بمال حتى لا
يصح بيعها وان ابيح الانتفاع بها
شرعا لعدم تمول الناس اياه اه
ومثله فى الكشف الكبير والبحر الرائق
و رد المحتار وقال فى الفتح مكان
حبة حبات ولم نر احدا منهم
ذكر ان ما دون ما يساوى فلسا
ليس بمال وكان مبنى
القراع على انه لم يكن فى
زمنه ثمن دون الفلس

جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں۔ تو یہ واجب
کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہو نہ ہوگا مگر زبردستی
اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو۔ پھر
شاید کہنے والا کہہ سکے۔ کہ شریعت نے پیسہ کی
مقدار مقرر فرمائی نہیں۔ اور وہ وقت اور
جگہ کے لئے سے بدلتا ہی۔ اور اس طرف اشارہ نہیں
کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ معتبر ہو کہ اوپر گذر چکا۔ کہ
مالیت بعض کے مال جاننے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے
تو واجب ہوا کہ ہر وقت اسکی تلاش کریں کہ تمام
دنیا میں سب سے چھوٹا پیسہ کونسا ہی اور اسمیں حرج ہے۔
اور حرج کو نص نے دفع فرمایا ہی فافہم اور بیشک کفایہ
کے شروع باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شئے میں
باقیمت ہونیکی صفت بغیر مالیت بھی ثابت ہو جاتی ہی
کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہی یہانتک کہ اوسکی
بیع صحیح نہیں۔ اگرچہ اوس سے نفع حاصل کرنا شرعاً
جائز ہے۔ اسلئے کہ لوگ اوسے مال نہیں سمجھتے انتہی
اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق اور
رد المحتار میں ہی۔ اور فتح القدیر میں ایک دانہ
کی جگہ چند دانے فرمایا۔ اور ہم نے اصل میں سے
کسی کو یہ فرماتے نہ دیکھا کہ ایک پیسہ سے کم کی چیز
مال نہیں۔ اور شاید اس کفایہ کی
بنا اس پر ہو۔ کہ اون کے زمانے میں
پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا۔

Marfat.com

أو لم يعده فی تقديرات الشّرع
فحكم بانّ ما دونه ليس بشئ ۔
كما حكم فی الاسرار بانّ ما
دون الحبّة من الذّهب و الفضّة
لا قيمة له كما نقل عنها فی الفتح
لانّهم لم يعرفوا لهما مقدارًا
دون الحبّة و قد عرفت فی ديارنا
الی ثمن حبّة و قيمة ذهب يساوی
ثمن حبّة فی بلادنا الآن فلسان
ای نحو هللة واحدة هٰهنا و هو
لا شكّ مال متقوم فكيف بما
فوقه ممّا يساوی رُبع حبّة و
نصفها و ازيد منه الی حبّة و
كما حكم كثيرون بانّ ما دون
نصف صاع خارج عن المعيار فيجوز
فيه التّفاضل مع اتّحاد الجنس
و عليه تتفرّع مسئلة حفنة بحفنتين
و قد ردّه المحقّق فی الفتح فاعلا
لا يسكن الخاطر الی هٰذا بل
يجب بعد التّعليل بالقصد
الی صيانة اموال النّاس تحريم
التّفاحة بالتّفاحتين و الجفنة
بالجفنتين اما ان كانت مكاييل

یا یہ کہ شرعِ مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے
اُن میں پیسے سے کم نہ پایا۔ تو یہ حکم لگا دیا۔ کہ ایک
پیسے سے کم کی جو چیز ہو۔ وہ کچھ نہیں۔ جیسے اسرار
میں حکم فرمایا۔ کہ جو چاندی یا سونا رتّی بھر سے کم
ہو۔ اُس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ انسی فتح القدیر
میں نقل فرمایا۔ اسلئے کہ اون علماء نے چاندی
سونے کے لئے رتّی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور
ہمارے شہروں میں اسکا اندازہ رتّی کے آٹھویں
حصہ ایک چاول ہمک معروف ہے۔ اور آجکل
ہمارے یہاں چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے
یعنی یہاں کے ایک ہللہ کے قریب۔ وہ بلاشبہ قیمت والا
مال ہے۔ نہ کہ وہ جو اوس سے بھی زیادہ ہے۔ جو
پاؤ رتّی یا نصف رتّی یا اس سے زائد کا ہو۔ ایک
رتّی تک۔ اور جیسے بہت علماء نے حکم فرمایا۔ کہ
نصف صاع سے جو کم ہو۔ وہ اندازہ سے باہر ہے۔ تو اس
میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے کمی بیشی کیساتھ بیچنا جائز
ہے۔ اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے
بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے۔ اور محقق نے فتح القدیر میں
اسکا رد کیا۔ یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان
نہیں ہوتا۔ بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ
رکھنا ہے تو اسپر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب
کے بدلے ایک سیب۔ اور دو لپ کے بدلے
ایک لپ کا بیچنا حرام ہو۔ اگر نصف سے

Marfat.com

اصغر منها كما في ديارنا من وضع ربع القدح و ثمن القدح المصري فلا شك وكون الشرع لم يقدر بعض المقدرات الشرعية في الواجبات المالية كالكفارات وصدقة الفطر باقل منه لا يستلزم اهدار التفاوت المتيقن الخ واقره في البحر و النهر و الشرنبلالية و الدر و الحواشي وغيرها وهو حسن وجيه كذلك نقول هٰهنا يجب بعد تعريف المال بما مر ان يكون كل ما ذكرنا مما لا يساوي فلسا مالا متقوما اما ان كانت اثمان اصغر من فلس كما في ديارنا من وضع ربع الفلس و ثمن الفلس فلا شك وكون الشرع لم يذكر ما دون فلس لا يستلزم اهدار المالية المتيقنة فهذا ما عندي والعلم بالحق عند ربي والله سبحنه وتعالى اعلم

چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے دیار میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ و صدقہ فطر میں جو اندازے مقرر فرمائے ہیں۔ اُن میں نصف صاع سے کم کوئی انداز نہ رکھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقیناً معلوم ہے۔ بے اثر کر دیا جائے۔ الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر اور شرنبلالیہ اور در مختار اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجہ کلام ہے۔ ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری۔ جو اوپر گذری۔ تو واجب ہے۔ کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں۔ سب قیمت والے مال ہوں۔ تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں۔ جب تو شک نہیں۔ اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقیناً معلوم ہے باطل کر دیجائے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالے اعلم

وَاَمَّا السَّابِعُ

جواب سوالِ ہفتم

فاقول قد اذناك انه ثمن اصطلاحي فاستبداله بالثوب

اقول۔ ہم تمہیں بتا چکے۔ کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے۔ تو کپڑے سے اُسکا بدلنا

لا یکون مقایضة بل بیعًا مطلقًا و لا یتعیّن النّوط بل یلزم فی الذّمّة کالفلوس ۔

مقایضہ نہ ہوگا ۔ بلکہ بیع مطلق ہوگا ۔ اور خاص کوئی معیّن نوٹ دینا نہ آئیگا ۔ بلکہ پیسوں کی طرح ذمّہ پر لازم ہوگا ۔

وَ اَمَّا الثَّامِنُ

(س) ھل یجوز اقراضہ وکیف یقضی

فاقول نعم یجوز اقراضہ لما تقدّم انّہ مثلی و لا یقضی الّا بالمثل لانّہ شان القرض بل کلّ دین لا یقضی الّا بمثلہ الا ان یتراضیا ۔

جواب سوالِ ہشتم

(مسئلہ) نوٹ قرض دینا جائز ہے اور بدلے میں نوٹ ہی ملیگا

اقول ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اسلئے کہ اوپر گذر چکا کہ وہ مثلی ہے ۔ اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائیگا کہ قرض کی یہی شان ہے ۔ بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے مثل سے مگر یہ کہ طرفین کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر راضی ہو جائیں ۔

وَ اَمَّا التَّاسِعُ

(س) ھل یجوز بیعہ بدراھم نسیئة

فاقول نعم یجوز اذا قبض النّوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دَینٍ بدَین وتحقیق ذٰلک انّ بیع النّوط بالدّراھم کالفلوس بھا لیس بصرف حتّی یجب التّقابض فانّ الصّرف بیع ما خلق للثمنیّة بما خلق لھا کما فسّرہ بہ البحر والدّر وغیرھما و معلوم انّ النوط والفلوس لیست کذٰلک

جواب سوالِ نہم

(مسئلہ) روپوں کے بدلے نوٹ قرضوں بیچنا جائز ہے

اقول ہاں جائز ہے جبکہ اوسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ طرفین دَین کے بدلے دین بیچکر جدا نہوں ۔ اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہو ۔ اسلئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کیلئے پیدا کی گئی ۔ اوسے ایسی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اوسکی یہ تعریف بحر و دُرّ وغیرہ میں فرمائی ۔ اور معلوم ہے کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں

ف (مطلب) تحقیق جواز مبادلة الفلوس بالنقدین واحدھما نسیئة و ترتیف ما وقع فی فتاوی قاری الھدایة ۱۲

Marfat.com

وانما عرض لها الثمنیة بالاصطلام
مادامت تروج والا فعروض و
بعدم کونه صرفا صرح فی رد المحتار
عن البحر عن الذخیرة عن المشائخ
فی باب الربا نعم لکونها اثمانا
بالرواج لابد من قبض احد الجانبین
والا حرم لنهیه صلی الله تعالیٰ علیه
وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ و
المسئلة منصوص علیها فی مبسوط
الامام محمد واعتمده فی المحیط[1]
والحلوی والبزازیة والبحر والنهر
وفتاوی الحانوتی والتنویر والدرّ
والهندیة وغیرها وهو مفاد
کلام الاسبیجابی کما نقله الشامی
عن الزینی عنه ففی الهندیة عن
المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا
بدراهم ونقد الثمن ولم یکن
الفلوس عند البائع فالبیع جائز اه
وفیها عن الحلوی وغیره لو اشتری
مائة فلس بدرهم فقبض الدرهم
ولم یقبض الفلوس حتی کسدت
لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین

اون میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض
ہوگیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں۔
اور اسکے بیع صرف نہ ہونے کی رد المحتار
باب ربا میں بحر اوس میں ذخیرہ اوسمیں مشائخ
سے تصریح فرمائی۔ ہاں اسلئے کہ وہ چلن کی سبب
ثمن ہے۔ دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور
ہے۔ ورنہ حرام ہوجائیگا۔ اسلئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے
مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں اس مسئلہ کی
تصریح ہے۔ اور اسی پر اعتماد کیا۔ محیط[1] اور
حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر اور
فتاوے حانوتی اور تنویر اور درّ اور
ہندیہ وغیرہا میں۔ اور وہی مفاد ہے
کلام امام اسبیجابی کا۔ جیسا کہ شامی نے
بحوالہ بحر اون سے نقل کیا۔ ہندیہ میں مبسوط
سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے
خریدے۔ روپے تو اُس نے دیدیے۔ اور پیسے
بائع کے پاس نہ تھے۔ تو بیع جائز ہے۔ انتہی۔
نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک
روپے کے سو پیسے خریدے۔ روپے پر تو اُس نے
قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اُسکا قبضہ نہ ہوا۔ یہانتک کہ
اُنکا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہیں اور اگر پچاس

[1] ای محیط الامام شمس الائمة السرخسی اھ منه

Marfat.com

فلسا فكسدت بطل فی النصف و
لو لم تكسد لم يفسد و للمشتری
ما بقی من الفلوس اھ و فيھا عن
محيط السرخسی نحوه و فيھا عن
الذخيرة لو اشتری فلوسا او طعاما
بدراھم حتی لم يكن العقد صرفا
و تفرقا بعد قبض احد البدلين
حقيقة يجوز اما اذا حصل الافتراق
بعد قبض احد البدلين حكما
لا غير لا يجوز سواء كان العقد صرفا
او لم يكن بيانه فيما اذا كان عليه
فلوس او طعام فاشتری من عليه
الفلوس او الطعام الفلوس او
الطعام بدراھم و تفرقا قبل نقد
الدراھم كان العقد باطلا و ھذا
الفصل يجب حفظه و الناس عنه
غافلون اھ ۔ فيھا عنھا اعطی رجلا
درھما و قال اعطنی بنصفه كذا
فلسا و بنصفه درھما صغيرا فھذا
جائز فان تفرقا قبل قبض الدرھم
التخيير و الفلوس فالعقد قائم فی
الفلوس منتقض فی حصة الدرھم
و ان لم يكن دفع الدرھم الكبير حتی افترقا

پیسوں پر قبضہ کر چکا تھا۔ اوسکے بعد چلن جاتا
رہا۔ تو نصف میں بیع باطل ہو جائیگی۔ اور اگر چلن
رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی۔ اور خریدنے والا باقی پیسے
لے لیگا انتہیٰ۔ نیز اوسمیں محیط سرخسی سے اسی کے مثل
ہے اوسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے
پیسے یا غلہ خریدا یہانتک کہ وہ عقد صرف نہ ہوا
اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہو کر
جُدا ہو گئے۔ تو جائز ہے۔ ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ
حقیقۃً نہ ہوا صرف ایک طرف کا حکماً ہوا تو جائز
نہیں۔ خواہ وہ عقد صرف ہو۔ یا نہ ہو۔ بیان اس
کا یہ ہے۔ ایک شخص کا دوسرے پر پیسہ یا غلہ
آتا تھا۔ تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہے اُنہی
پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا۔ اور روپے
دینے سے پہلے جدا ہو گئے۔ تو بیع باطل
ہو گئی۔ اس مسئلہ کا یاد رکھنا واجب ہے
اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ انتہیٰ
اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ
دیا۔ اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دیدے اور
آدھے کی اٹھنی۔ تو یہ جائز ہے۔ پھر اگر اٹھنی اور پیسوں
پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہو گئے۔ تو پیسوں
میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہو گئی
اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا۔ اور
ویسے ہی وہ دونوں جُدا ہو گئے

Marfat.com

بطل البيع فی الکل اھ وفیھا عنھا
اشتری بفلوس و اعطی الفلوس
و افترقا ثم وجد فیھا فلسا لا ینفق
فردہ فاستبدل لہ ففی ھذہ الصورۃ
اذا کانت الفلوس ثمن متاع لا یبطل
العقد سواء کان المردود قلیلا
او کثیرا استبدل او لم یستبدل
وان کانت ثمن الدراھم فان کانت
الدراھم مقبوضۃ فرد الذی لا
ینفق و استبدل او لم یستبدل
فالعقد باق علی الصحۃ وکذلک
لو وجد الکل فی ھذہ الصورۃ
لا تنفق و ردھا و استبدل او لم
یستبدل فالعقد باق علی الصحۃ
وان لم تکن الدراھم مقبوضۃ ان
وجد کل الفلوس لا ینفق فردھا
بطل العقد فی قول ابی حنیفۃ
استبدل فی مجلس الرد او لم یستبدل
وقالا ان استبدل فی مجلس الرد
فھو صحیح علی حالہ وان لم یستبدل
انتقض وان کان البعض لا ینفق
فردھا فالقیاس ان ینتقض العقد
بقدرہ لکن اباحنیفہ رحمہ اللہ تعالی

تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہو گئی انتہی
نیز اوسی میں اُس سے ہے۔ کوئی چیز پیسوں کو
خریدی۔ اور پیسے دیدیئے اور دونوں جدا ہو گئے
پھر بائع نے اون میں ایک پیسہ کھوٹا پایا۔
اور اُسے واپس دیدیا۔ اور اوس کے بدلے اور پیسہ
لیا۔ تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع
کے ثمن تھے۔ تو عقد باطل نہ ہوا۔ خواہ وہ
جو واپس دیئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ
اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے۔ یا نہیں
اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے۔ اب اگر
روپوں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ اس صورت میں
کھوٹا پھیرا۔ اور اوس کے بدلے میں کھرا لیا
یا نہ لیا۔ تو عقد بدستور صحیح ہے اسی طرح
اس صورت سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس
دیئے۔ اور اون کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ
لئے۔ جب بھی بیع صحیح رہیگی۔ اور اگر روپوں پر
قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس
دیئے تو بیع امام اعظم کے نزدیک باطل ہو گئی اگرچہ
اوسی مجلس میں کھرے بدل لئے ہیں یا نہیں اور
صاحبین فرماتے ہیں اگر اوسی مجلس میں کھرے بدل
لیئے تو بیع بدستور صحیح ہے۔ اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی
اور اگر کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دیئے تو قیاس یہ ہے کہ اوتنے
میں بیع باطل ہو جائے۔ مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

استحسن فی القلیل اذا ردّہ واستبدل
فی مجلس الردّ ان لا یفترقا عن الحقد
اصلاً واختلفت الرّوایات عن
ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی
تحدید القلیل ففی روایۃ اذا زاد
علی النصف فکثیر وما دونہ قلیل
وفی روایۃ النّصف کثیر وفی روایۃ
اذا زاد علی الثّلث اھ ملخصا وانما
اکثرنا النقول عن الذّخیرۃ لانہ
لانہ سیاتی عنہا نقل خلاف
فی بیع فلس بفلسین فلیکن علی ذکر
منک انہ جزم فی مسألتنا ھذہ اعنی
بیع الفلوس بالدراھم فی غیر موضع
بالجواز ولم یلمح ھھنا بذکر خلاف
اصلا وفی تنویر الابصار والدر
المختار باع فلوسا بمثلھا او بدراھم
او بدنانیر فان نقد احدھما جاز
وان تفرقا بلا قبض احدھما لم
یجز اھ وبالجملۃ فالمسئلۃ ظاھرۃ
والنقول متوافرۃ وان خالفھا
العلامۃ قاری الھدایۃ فی فتاواہ
فشرط التقابض وحرم النسیئۃ
وھذا نقلھا (سئل) ھل یجوز بیع مثقال

استحساناً فرماتے ہیں کہ اگر واپس دیئے ہوئے پیسے
تھوڑے ہوں اور اوسی جلسے میں بدلے کے پیسے
لے لئے جائیں۔ تو عقد اصلاً نہ ٹوٹیگا۔ اور یہ کہ تھوڑے
کتنے کہیگئے۔ اس میں امام صاحب سے روایتیں مختلف
آئیں۔ ایک روایت میں یہ ہے۔ کہ نصف سے
زائد کثیر ہیں۔ اور اس سے کم قلیل۔ اور ایک روایت
میں یہ ہے کہ نصف بھی کثیر ہے۔ اور ایک روایت
میں تہائی سے زیادہ ہو۔ تو کثیر ہے انتہی ملخصاً اور
ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت اسواسطے ذکر کیں
کہ اوس سے ایک نقل اُسکے مخالف آنے والی ہے
ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں۔ تو یہ
تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنے
روپوں کے عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ
جواز پر جزم فرمایا ہے اور یہاں اصلاً کسی ذکرِ خلاف
کے قریب بھی نہیں گئے۔ اور تنویر الابصار و درمختار
میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض
پیسے بیچے۔ اور ایک طرف کا قبضہ ہو گیا تو جائز ہے
اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ جدا ہو گئے تو ناجائز
ہے۔ انتہی۔ الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر
ہیں۔ اگرچہ علامہ قاری الہدایہ نے اپنے فتاوے میں
اوسکی مخالفت فرمائی۔ کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا
اور کسی طرف سے ادھار ہونے کو حرام ٹھیرایا۔ اوس
کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ کیا ایک مثقال

Marfat.com

من الذّهب بقنطار من الفلوس
نسيئة امر لا؟ (الجواب) لا يجوز بيع
الفلوس الى اجل بذهب او فضة
لان علماءنا نصوا على انه لا يجوز
اسلاه موزونين فى موزونين الا اذا
كان الموزون المسلم فيه مبيعا
كزعفران او غيره والفلوس ليست
من المبيعات بل صارت اثمانا اه
وردّه العلامة الحانوتى حين سُئل
عن بيع الذّهب بالفلوس نسيئة
فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد
البدلين لما فى البزازية لو اشترى
مائة فلس بدرهم يكفى التقابض
من احد الجانبين قال ومثله ما
لو باع فضة او ذهبا بفلوس
كما فى البحر عن المحيط قال فلا يغتر
بما فى فتاوى قارئ الهداية اه
وأجاب عنه فى الشهر بان مراده
بالبيع التسلم والفلوس لها شبه
بالثمن ولا يصح التسلم فى الاثمان
ومن حيث انها عروض فى الاصل
اكتفى بالقبض من احد الجانبين
اقول وهذا هو المستفاد من تعليله

سونا پیسوں کی ڈھیری سے ادھار بیچنا جائز ہے
یا نہیں؟ (جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی
کے عوض ادھار بیچنا ناجائز ہے۔ اسلئے کہ ہمارے
علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر
بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا۔ چاندی تانبا) انمیں
ایک کی دوسری سے بدلی جائز نہیں۔ مگر اس صورت
میں کہ وہ موزون چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر لینی ٹھیری
ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور
پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہو گئے ہیں انتہی
اور علامہ حانوتی نے اسکا رد فرمایا جبکہ اونسے پیسوں
کے عوض سونا ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا۔
جواب دیا کہ جائز ہے اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ
ہوگیا۔ اسلئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے
سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے
پھر فرمایا۔ اسی طرح اگر چاندی یا سونا پیسوں کو
بیچیں جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا۔ تو
وہ جو فتوی قاری ہدایہ میں واقع ہوا اوس سے دھوکا نہ
کھایا جائے۔ انتہی۔ اور اس اعتراض کا نہر میں یہ جواب
دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سلم سے بدلی ہے۔ اور
پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سی ہے اور ثمن کی ثمن سے
بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پیسے اصل میں متاع
نہیں۔ ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا۔ و
اقول یہی اونکا اس دلیل سے مستفاد ہے

Marfat.com

بان علماءنا نصوا علی انه لا یجوز
اسلام موزونین فی موزونین الخ لکن
لم یقنع به العلامة ابن عابدین
فی ردّ المحتار واجاب بحمل ملکفی
فتاوی قاری الهدایة علی ما دلّ
علیه کلام الجامع الصغیر من
اشتراط التقابض من الجانبین
قال فلا یعترض علیه بما فی البزازیّة
المحمول علی ما فی الاصل یعنی المبسوط
ونقل قبیله عن البحر عن الذخیرة
انّ محمدا ذکر مسئلة بیع فلس
بفلسین باعیانهما فی صرف الاصل
ولم یشترط التقابض و ذکر
فی الجامع ما یدلّ علی انّ شرط فمنهم
من لم یصحّح الثانی لانّ التقابض
مع التعیین شرط فی الصّرف ولیس
به ومنهم من صحّحه لان الفلوس
لها حکم العروض من وجه وحکم
الثّمن من وجه فجاز التفاضل للاوّل
واشترط التقابض للثّانی اه

اقول وباللّٰه التوفیق
ماجنح الیه الشامی تبعًا
للبحر تبعًا للذخیرة

کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ دو چیز میں جو وزن سے
بیچی جاتی ہوں ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ
ابن عابدین نے ردّ المحتار میں اسپر قناعت نہ فرمائی
اور کچھ جواب دیا کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ
پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ
دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اسپر
مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا۔ کہ وہ اس پر
محمول ہے جو مبسوط امام محمد میں ہے۔ اور اس سے
کچھ پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل کیا کہ امام محمد
نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ
دو پیسے معین کے بدلے بیچنے کا مسئلہ ذکر فرمایا
اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا۔ اور جامع صغیر
میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ
وہ شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی
کی تصحیح نہ کی کہ تعیین کے ساتھ دونوں طرف
کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے۔ اور یہ وہ نہیں اور
بعض نے اسکی تصحیح کی۔ اسلئے کہ پیسوں کیلئے ایک جہت
سے مثامنہ کا حکم ہے۔ اور ایک جہت سے ثمن
کا۔ تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی۔ اور
دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا۔ انتہی

اقول وباللّٰه التوفیق
وہ جس کیطرف شامی نے بتبعہ
بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ

Marfat.com

من دلالة كلام الجامع الصغير على اشتراط التقابض فللعبد الضعيف فيه تامل قوي والي راجعت الجامع فوجدت نصه هكذا محمد عن يعقوب عن ابي حنيفة رضي الله تعالى عنهم رجل باع رطلين من شحم البطن برطل من الية او باع رطلين من لحم برطل من شحم البطن او بيضة ببيضتين او جوزة بجوزتين او فلسا بفلسين او تمرة بتمرتين يدا بيد باعيانهما يجوز وهو قول ابي يوسف رحمه الله تعالى وقال محمد رحمه الله تعالى لا يجوز فلس بفلسين ويجوز تمرة بتمرتين اه كلامه الشريف قدس سره المنيف فمحل الاستناد انما هو قوله ورحمه الله تعالى يدا بيد لكن قد علم من مارس الفقه ان هذا اللفظ ليس نصا صريحا في التقابض بالبراجم الا ترى ان علماءنا رحمهم الله تعالى فسروه في الحديث المعروف بالعينية كما قال في الهداية ومعنى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم

میل کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بندۂ ضعیف کو اس میں تامل قوی ہے۔ اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی۔ تو اوسکی عبارت یوں پائی۔ امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابو یوسف سے اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکتی کو بیچی۔ یا دو رطل گوشت ایک رطل چربی کو۔ یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے کو یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں عین ہوں۔ تو جائز ہے اور یہی قول ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں۔ اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز نہیں۔ اھ کلامہ الشریف قدس سرہ المنیف فمحل الاستناد انما ہو قولہ ورحمہ اللہ تعالیٰ یدا بید لکن قد علم من مارس الفقہ ان ھذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الا ترٰی ان علماءنا رحمہم اللہ تعالیٰ فسروہ فی الحدیث المعروف بالعینیۃ کما قال فی الھدایۃ ومعنی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے۔ اوسسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہو جائے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ

Marfat.com

یدًا بید عینًا بعین کذا رواہ عبادۃ
بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اھ
کیف وقد قال اصحابنا رضی اللہ
تعالیٰ عنہم ان التقابض انما یشترط
فی الصرف و اما ما سواہ منما یجری
فیہ الربا. فانما یعتبر فیہ التعیین
کما فی الھدایۃ وغیرھا و
قال فی التنویر المعتبر تعیین الراوی
فی غیر الصرف بلا شرط تقابض
وقال فی الدر حتی لو باع برا ببر
بعینھما وفرقا قبل القبض جاز اھ

فان حمل قولہ ھذا فی العبارۃ
الاولی ذکرنا علی التقابض و
استجلب منہ اشتراط ذلک
فی فلس بفلسین کان ایضًا
مشترطا فی تمرۃ بتمرتین وبیضۃ
ببیضتین وجوزۃ بجوزتین عند
من یقول ان القید راجع للمسائل
جمیعًا کالنھر والدر وغیرھما
فان المسائل کلھا مسوقۃ سیاقًا
واحدا الا سیما فی عبارۃ الجامع
فان القید مذکور فیہ بعد تمرۃ
بتمرتین وانما ذکر فلسا بفلسین

دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعیین
ہو جائے۔ (کسی طرف دین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن
صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا۔ انتہی۔
اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم
نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اسکے
سوا اور صورتیں جنمیں ربا جاری ہو سکتا ہے ان میں
فقط تعیین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور
تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے
وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر
ہے قبضہ طرفین شرط نہیں درمختار میں فرمایا یہانتک کہ اگر
گیہوں کو بدلے گیہوں بیچے۔ اور ان دونوں کو معین کر دیا
اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہو گئے۔ تو جائز ہے انتہی

تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں
اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے۔ اور اوس
سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم
بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور
انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا
شرط ہونا لازم آئیگا۔ ان کے نزدیک جو کہتے
ہیں کہ یہ قید کل تمام مسائل کی طرف راجع ہے۔
جیسے نہر الفائق اور در مختار وغیرہما۔ اسلئے کہ
وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں
خصوصًا عبارت جامع صغیر میں۔ کہ اوس
میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے
اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے

Marfat.com

قبله - وهذا لم يقل ائمتنا فوجب حمله على الاشتراط التعيين وكان قوله رضى الله تعالى عنه بيانها تفسيرا لقوله يدا بيد و الا لكان حشوا مستغنى عنه لا طائل تحته اصلا فان التقابض فيه التعيين وازيد فذكره بعده لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدين صاحب الهداية رحمه الله تعالى هذه المسئلة عن الجامع الصغير اسقط عنها تلك الكلمة واقتصر على ذكر العينية حيث قال قال (اى محمد كما صرح به العلامة بدر العينى فى البناية) يجوز بيع الطيفتر بالبيضتين والقمرة بالقمرتين والجوزة بالجوزتين ويجوز بيع الفلس بالفلسين باعيانهما اه نظهر ظهور الشمس فى رابعة النهار ان ليس فى الجامع دليل على ما فهم هؤلاء الاعلام و ان فرض فمع احتمال الغير احتمالا اظهر و ازهر لا يرد ولا يرام ولا حجة فى المحتمل بخلاف عبارة

اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہے۔ ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جسکا کچھ فائدہ نہیں۔ کہ قبضہ طرفین میں تعین مع زیادت ہے۔ تو اس کے بعد اسکا ذکر فضول ہے۔ اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا۔ تو دست بدست کا لفظ اوس سے ساقط فرمادیا۔ اور صرف تعین کا ذکر کیا۔ جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد نے جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک انڈا دو انڈے کو اور ایک خربزہ دو خربزے کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے۔ اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے۔ انتہیٰ تو پہر دن چڑھے کے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا۔ کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے۔ اور اگر فرض بھی کر لیجائے۔ تو اس کیساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔ ظاہر تر روشن تر کہ نہ رد ہوسکے اوس کی طرف کوئی برا قصد کر سکے۔ اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی۔ بخلاف عبارت

Marfat.com

الاصل فانّها نصّ ایّ نصّ فی عدم اشتراط التّقابض کما سمعت فعلیه فلیکن التّعویل والتّوفیق باللّٰه الملك الجلیل ۔

(ف) معروضات علی العلامۃ الشامی

ثمّ لا یخفی علیك انّ هٰذا کلّه کان مماشاة منّا مع العلّامة الشّامی والمقصود ابانة مفادًا لجامع والّا فالحقّ انّ فتوی العلّامة سراج الدّین ما بها حاجة الی حمل کلام الجامع علی اشتراط التقابض ولا[1] هو مدّعاه ولا[2] علیه توقف لما ادّعاه فانّه انّما حرّم النّسئة وحرمتها لا[3] توجب عینیة الجانبین ایضًا فضلًا عن التقابض الا تری انّ بیع ثوب بدرهم حالا لیس بنسیئة ولا فیه العینیتان نعم ایجاب العینیّة من الجانبین یوجب تحریم النّسیئة

مبسوط کے کہ وہ قبضۂ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سُن چکے۔ تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے۔ اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے ۔

(ف) علامہ شامی پر متعدد معروضات

پھر اتنا معلوم رہے۔ کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ اونکی روش پر چلنا تھا۔ اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوٰی علامہ قاری الہدایہ کو اسکی کچھ حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجے۔ اور[1] نہ وہ اونکا مدعی ہے۔ اور[2] نہ اوسپر اونکا دعوٰے موقوف کہ وہ تو اودھار کو حرام بتا رہے ہیں۔ اور اوس کی حُرمت دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب[3] نہیں کرتی نہ کہ قبضۂ طرفین۔ کیا نہیں دیکھتے۔ کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچنا نہ تو اودھار ہے نہ اوس میں دونوں جانب عین۔ ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا اودھار کی حُرمت کو لازم کرتا ہے۔

---

[1] لانّه سلّمه سلمًا وانتم للصّرف تصرفون اھ منه [2] لانّ السّلم لا یجوز فی الثمن سواء کان فیما یشترط فیه التقابض کثمن فی ثمن او لا کمبیع فی ثمن اھ منه [3] وانّما کانت توجب لو کان انتفاء النسیئة مستلزمًا لوجود العینیتین ولیس کذلك بل قد ینتفیان معًا کما فی المثال المذکورة اھ

[1] کہ وہ تو اوسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھیرتے ہو ۱۲ منہ [2] کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اسچیز میں ہو جسمیں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدنی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بدنی ۱۲ منہ [3] واجب تو جب کرتی کہ اودھار نہ ہونیکو دونو طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونو باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ اودھار ہو نہ دونو جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ

Marfat.com

لان التاجيل للترفيه فى التحصل والعين
متحصلة بالفعل فلو استدل له بعبارة
الجامع على هذا الوجه لكان[1] له وجه
وسلم من الاعتراض المذكور واذن
اقول وبالله التوفيق

[1] لكونه دليلا على الحكم الذى افتى به
وهو عدم الجواز وان جاء من قبل الصرفية
دون السلمية ومن هذا الباب ما فى الهندية
عن المحيط حيث ذكر مسائل شراء المستقرض
الكر القراض من المقرض بمائة وانه يجوز
اذا شرى ما فى ذمته ونقد الثمن فى المجلس
والا لا لافتراقهما عن دين بدين ثم قال
كذلك الجواب فى كل مكيل وموزون غير الدراهم
والدنانير والفلوس اذا كان قرضا اه
فجعل الفلوس مما لا يجوز شراؤه نيئا فى الذمة
بثمن منقود ايضا كما فى البحرين والصحيح
ما قدمناه عن الهندية عن الذخيرة
ان منع غير الصرف مختص بما اذا لم
يقبض شئ من البدلين قبضا حقيقيا
وان قبض حكما اما اذا قبض احدهما
حقيقة جاز ومثله فى رد المحتار
عن المرجيز وبالجملة جعله صرفا
صرف له عما نص عليه عامة الاصحاب
فى غير ما كتاب. والله تعالى
اعلم اه منه

(ما) معنی فصل نمبر ۱ کی عبارت

ہسلئے کہ وہ ہمکو مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شئے کے
حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ اور عین خود ہی فی الحال حاصل
ہے تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کیلئے اس طرح
استدلال کیا جاتا تو اسکی ایک[1] وجہ ہوتی۔ اور
اعتراض مذکور سے محافظت رہتی۔ اور اب
میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے

[1] کہ وہ اُس حکم پر دلیل ہوتا جس کا اُنہوں نے
فتوے دیا۔ یعنی ناجائز ہونا۔ اگرچہ یہاں صرف کے
سبب ہوا نہ سلم کی جہت سے۔ اور اسی باب سے
ہے وہ جو ہندیہ میں محیط سے ہے۔ جہاں اونہوں نے
اس کے مسائل ذکر کئے ہیں۔ کہ غلہ قرض لینے والا
اوس قرض غلہ کو قرض دینے والے سے نقد روپے کو
مول لے۔ اور یہ کہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلہ خریدے
جو اوس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے۔ (نہ بعینہ وہ غلہ جو اُس نے
لیا ہے) اور قیمت اوسی مجلسے میں ادا کردے ورنہ حرام
ہوگا۔ کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جدا ہو گئے۔ پھر
فرمایا ہر اپ تول کی چیزیں یہی حکم ہے سوا روپے اشرفی
پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی۔ تو پیسوں کو بھی روپوں
اشرفیوں کی طرح اونہی چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمہ پر
قرض ہوں تو اونکا خریدنا ناجائز ہے۔ اگرچہ قیمت اوسی مجلسہ
میں ادا ہو جائے۔ اور صحیح وہ ہے جو ہم نے حوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کر چکے
کہ ماسوا صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونو طرف میں سے کسی پر
حقیقۃً قبضہ نہ کریں۔ اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو۔ (جیسے
ذمہ پر کا قرض کہ حکماً مقبوض ہے) مگر جب ایک پر حقیقی قبضہ ہو جائے
تو جائز ہے۔ اور ایسا ہی رد المحتار میں دوسری جگہ سے ہے غرض یہ کہ اسے
صرف ٹھہرانا اوس ہی چیز کا ہے جسپر ہمارے علماء نے متعدد
کتابوں نص فرمایا۔ واللہ تعالے اعلم ۱۲ منہ

Marfat.com

لایخفی علیك ان اشتراط العینیة
من الجانبین فی الربویات وهی
المکیلات والموزونات دون
المعدودات کما نص علیه فی سلم
الفتح وغیره حیث قال انما یمنع
ذلك فی اموال الربا اذا قوبلت بجنسها
والمعدود لیس منها اه کما قال
فی البحر تحت قول الکنز وحلا بعد
مهما ای الفضل والنسأ عند
انعدام القدر والجنس فیجوز
بیع ثوب هروی بمرویین نسئة
والجوز بالبیض نسئة وقال تحت
قوله یعتبر التعیین دون التقابض
فی غیر الصرف من الربویات بیانه
ما ذکره الاسبیجابی بقوله واذا تبایعا
کیلیا بکیلی او وزنیا بوزنی کلاهما
من جنس واحد او من جنسین
مختلفین فان البیع لا یجوز حتی یکون
کلاهما عینا اضیف الیه العقد
وهو حاضر او غائب بعد ان یکون
موجودا فی ملکه الخ وانما اعتلوا
وجوبها فی فلس بفلسین بان لو باع
فلسا بعینه بفلسین بغیر عینهما

تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموال
ربا میں ہے۔ اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ یا تول
سے بکتی ہیں۔ نہ وہ کہ گنتی سے۔ جیسا کہ فتح القدیر
وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے۔ جہاں کہ فرمایا کہ
یہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کیساتھ
بیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں سے
نہیں۔ انتہی جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں
جب دونوں نہوں۔ تو دونوں حلال ہیں۔ بحر الرائق میں
فرمایا یعنی جب قدر و جنس دونوں نہوں تو زیادتی اور
ادھار دونوں حلال ہیں تو ہزار کے بنے ہوئے
ایک کپڑے کو مرد کے بنے ہوئے دو کپڑوں کی عوض
ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ
ادھار بیچنا۔ اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف
کے اموالِ ربا میں تعین معتبر ہے نہ قبضہ طرفین اسکے نیچے
بحر نے فرمایا بیان اسکا وہ ہے جو امام اسبیجابی نے اپنی اس
قول میں ذکر کیا کہ جب ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی
چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا
دو جنس مختلف تو بیع جائز نہوگی۔ مگر اس شرط سے کہ وہ
دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا۔ خواہ
وہیں حاضر ہو یا غائب ہاں اس کی ملک میں موجود
ہونا چاہیے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو صینیت کو
واجب کیا اسکی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر
ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچا

Marfat.com

امسك البائع الفلس المعين وطالبه
بفلس اٰخر او سلم الفلس المعين و
قبضه بعينه منه مع فلس اٰخر
لاستحقاقه فلسين فی ذمته فيرجع
اليه عين ماله ويبقى الفلس الاٰخر
خاليا عن العوض وكذا لو باع
فلسين باعيانهما بفلس بغير
عينه قبض المشتری الفلسين و
دفع اليه احدهما مكان ما استوجب
عليه فيبقى الاٰخر فضلا بلا عوض
استحق بعقد البيع كما فی الفتح
ونحوه فی العناية وغيرها وهٰذه
العلّة لا جريان لها فی الدّراهم
بالفلوس نسيئة كما لا يخفٰى فضلا
من النوط بالدّراهم فعبارة قارئ
الهداية احسن محمل لها ما ذكر
فی النّهر ويكون اذن مبنيا علٰى رواية
نادرة عن محمد كما سيأتی و
ان لم يسلم فهی فتوی من دون
سند ولا[1] تعلم له سلفا فيها و

تو بائع کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے
اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے۔ یا وہ معین پیسہ
مشتری کو دیکر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسہ کے
اوس سے واپس لے کیونکہ مشتری کے ذمہ پر اُس کے
دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اوسکی طرف بعینہٖ
لوٹ آیا۔ اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا۔ اور یونہی اگر دو
معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں
پیسے لے لیگا۔ اور اوس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا
ہے اُسکی ادا کو اونہی میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر
دیگا۔ تو دوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے
جسکا استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو۔ جیسا کہ فتح القدیر میں
ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور اودھار پیسوں
کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہو سکتی
جیسا کہ پوشیدہ نہیں نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ
بیچنے میں۔ تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر
محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اسوقت وہ ایک
روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالےٰ
علیہ سے آئی ہے جیسا کہ عنقریب اوسکا بیان آتا ہے اور
اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتوٰی ہے جس کے ساتھ کوئی
سند نہیں۔ اور نہ اوس میں اونسے پہلے انکا کوئی مستند[1] معلوم

---

[1] ای بالوجه الذی ذكر وان صرف الی الصرف
فقد علمت ماله من الضعف الصرف اھ منه

[1] یعنی اوس طریقے سے جو انہوں نے ذکر کیا اور اگر صرف
کی طرف پھیرو تو تمہیں معلوم ہو چکا جو اسمیں نرا ضعف ہے ۱۲ منہ

هو لم يستند لنقل و ما تجشّم
له الشّامي فقد علمت حاله فكيف
يعارض به ما تطابقت عليه
كلمات اولئك الاجلّة الكرام
الّذين قصصتهم عليك وامامهم
فيها نصّ محمّد في الاصل فهو
القول الفصل ؛

ثمّ اقول علا انّ في ما
ذكر العلّامة قارئ الهداية
ذهولين صريحين عن مسائل
المذهب ذهُول عمّا نصّ
عليه علماؤنا انّ الفلوس
بالاصطلاح خرجت عن
الوزنية الى العددية وذُ
ذهول عمّا نصوا عليه ان ثمنيتها
تبطل باصطلاح العاقدين و
انّ بطلانها لا يبطل الاصطلاح
على العدديّة وكلّ ذلك منصوص
عليه في الهداية وغيرها وهذا
نصّها ولهما ان الثمنية في
حقّهما تثبت باصطلاحهما
اذ لا ولاية للغير عليهما فتبطل
باصطلاحهما واذا بطلت الثمنيّة

نہ وہ اوسپر کسی نقل سے سندلائے اور وہ جو اونکے لئے
علامہ شامی نے تکلف کیا اوسکا حال معلوم ہوچکا
تو اوس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے اوس حکم کا جس
پر اون اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کی اسمائے
گرامی اوپر مذکور ہوئے - اور اوس میں
اون کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے - تو وہی
قول فیصل ہے ؛

ثمّ اقول علاوہ بریں وہ جو علامہ قاری
الہدایہ نے ذکر کیا اوس میں مسائل
مذہب سے صاف دو ذہول ہیں - ایک
ذہول تو اوس سے جو ہمارے علماء نے
تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب
وزنی کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز
ہوگئے - اور دوسرا ذہول اوس سے وہ جو
علماء نے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی
اپنی اصطلاح سے باطل ہوجاتا ہے اور ثمنیت کا بطلان سے
وہ اصطلاح جو ٹھیری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں
ہوتی ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے ہدایہ کی عبارت
یہ ہے امام اعظم اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت
بائع و مشتری کے حق میں اون کی اصطلاح سے
ثابت ہوتی ہے - اس لئے کہ اوروں کو اون پر
کچھ ولائت نہیں - تو وہ اپنی اصطلاح میں اوسے
باطل بھی کرسکتے ہیں - اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا

تتعين بالتعيين ولا يعود رخيصا
لبقاء الاصطلاح على العد اھ
وسنلقي عليك ان محمدا ایضا
سلم فی التسلم بطلان الثمنية و
انما انكره فی البيع لعدم الدليل
فهو مجمع عليه بين ائمتنا فاذن
اسلام احد النقدين فی الفلوس
ليس سلما فی ثمن ولا اسلام
موزون فی موزون بل موزون فی
عددی متقارب مثمن ولا باس به
باجماع علمائنا رحمهم الله تعالٰی
وبالجملة فالعبد الضعيف لا
يعلم لهذا الفتوٰی وجه صحة
اصلا تامل لعل لكلامه وجها
لست احصله بفهمی الشخيف و
لعلی انا الاولٰی بالخطأ من هذا
العلامة الحريف رحمه الله تعالٰی
ثم اقول ولئن سلمنا فلنا
ان نقول ما ذكراتما يتمشی
فی الفلوس اما النقود فليس بموزون
اصلا فان الورقات لا توزن
عرفا قط فلم يشملها المعيار
كجعفنة من حب ودرة من ذهب

تو معین کئے سے معین ہو جائینگے۔ اور اس سے تول
کی چیز نہ ہو جائینگے۔ کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے انتہیٰ
اور عنقریب ہم تمہیں بتائینگے۔ کہ امام محمد نے بھی
سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے۔ ہاں جس
میں دلیل نہ ہونے کے سبب اسکا انکار کیا ہے تو اسپر
ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے۔ تو اس حالت میں
روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدنی کرنا ثمن کی بدنی
نہیں۔ اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدنی بلکہ تیل کی
چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدنی ہے جس کو انہ باہم
مشابہ ہیں۔ اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی
کا اجماع ہے کہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔
الحاصل یہ رکہ ضعیف اس فتوے کیلئے اصلاً
کوئی وجہ صحت نہیں جانتا۔ تامل کر شاید اونکے
کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو۔ کہ میں اپنی فہم
سست سے اوسے نہیں سمجھا۔ اور کیا عجب ہے
کہ بہ نسبت ان علامہ کامل المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے
میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں ۔
ثم اقول۔ اگر تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں اس کہنے
کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا۔ وہ پیسوں
ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلاً وزن کی
چیز نہیں۔ اسلئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی
تولے نہیں جاتے۔ تو معیار انہیں شامل نہ ہوئی جیسے
سے ایک ہتھیلی بھر۔ اور سونے سے ایک ذرہ

Marfat.com

فمسئلتنا هذه سالمة عن الخلاف
على كل حال والحمد لله ذي الجلال
هكذا ينبغي التحقيق والله ولي التوفيق

وَاَمَّا العَاشِرُ

فَاَقُوْلُ نعم يجوز السلم
في الثوب وقد يقال لا يجوز
فاته ثمن ولا سلم في الاثمان
كما تقدم من النهر
والتحقيق ان هذا انما يبتنى
على رواية نادرة عن محمد
والا فالمنصوص عليه في
المتون جواز السلم في الفلوس
وانما لا يجوز في الاثمان
الخلقية وهي النقدان
لا غير لعدم قدرة العاقدين على
ابطال ثمنيتهما بخلاف الاثمان
الاصطلاحية قال في التنوير و
الدر (يصح اي السلم فيما امكن
ضبط صفته) كجودته ورداءته
(ومعرفة قدره كمكيل وموزون)
وخرج بقوله (مثمن) الدراهم
والدنانير لانها اثمان فلم يجز

تو ہمارا یہ مسئلہ بہر حال مخالفت سے محفوظ ہے
اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے۔ ایسی ہی
تحقیق ہونی چاہئے۔ اور توفیق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

جواب سوالِ دہم

اقول۔ ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے
اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہے۔ اس لئے
کہ نوٹ ثمن ہے۔ اور ثمن میں بدلی جائز نہیں
جیسا کہ نہر سے گذرا۔
اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایت
نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی۔ ورنہ
متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدلی جائز
ہے ہاں جو ثمن ہونے کیلئے پیدا کئے گئے
ان میں جائز نہیں اور وہ صرف یا قدری سونا
ہے بس اسلئے کہ بائع و مشتری ان کی ثمنیت
باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف ان چیزوں
کے جو اصطلاحاً ثمن قرار پائے ہیں۔ تنویر الابصار اور
در مختار میں فرمایا۔ سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس
کی صفت کا انضباط ہو سکے۔ جیسے اس کا کھرا
اور کھوٹا ہونا۔ اور اسکا اندازہ پہچان سکیں جیسے
ناپ اور تول کی چیز۔ اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ
چیز ثمن نہ ہو۔ اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے۔
اس لئے کہ وہ ثمن ہیں۔ تو ان میں جائز نہیں

فيها التسلم خلافا لمالك (وعادى
متقارب كجوز وبيض وفلس) الخ
قال ابن عابدين قوله وفلس الاولى
بفلوس لانه مفرد لا اسم جنس قيل
وفيه خلاف محمد لمنعه بيع الفلس
بالفلسين الا ان ظاهر الرواية عنه
كقولهما وبيان الفرق فى التتمة
وغيره اه فكان التتمة انما ابداه
تاويلا لفتوى قارئ الهداية حتى
يحصل له مستند ولو فى النوادر
ولم يرد به تعويلا عليه وفى الهداية
وكذا فى الفلوس عددا وقيل هذا
عند ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما
الله تعالى وعند محمد لا يجوز -
لانها اثمان ولهما ان الثمنية
فى حقهما باصطلاحهما فتبطل
باصطلاحهما قال فى الفتح اى يجوز
التسلم فى الفلوس عددا هكذا ذكره
محمد رحمه الله تعالى فى الجامع
من غير ذكر خلاف فكان هذا
ظاهر الرواية عنه وقيل بل هذا
قول ابى حنيفة وابى يوسف اما عند
محمد لا يجوز بل لا يجوز منعه بيع الفلس بالفلسين

امام مالک کا اسمیں خلاف ہے۔ یا گنتی سے بیچنے کی چیز ہو تو ایسی
ہے کہ اسکے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہیں جیسے اخروٹ اور
علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولیٰ یہ ہے
کہ پیسے کہیں اسلئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے اسم جنس نہیں
بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اسلئے کہ
وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں۔ مگر
روایت مشہورہ اون سے بھی مثل قول امام اعظم اور امام
یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے انتہی۔ تو گویا
نہر نے یہ بات فتوی قاری الہدایہ کی تاویل کیلئے ظاہر
کی۔ تاکہ اوس کے لئے کوئی سند ہو جائے۔ اگرچہ نوادر میں
اور اس سے اوپر اعتماد کرنا نہ چاہے۔ اور ہدایہ میں ہے
یونہی پیسوں میں بدنی جائز ہے اونکی گنتی مقرر کرکے۔ اور
کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے
اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں۔ اسلئے کہ
پیسے ثمن ہیں۔ کہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع
ومشتری کے حق میں اونکی اصطلاح کی بنا پر ہے۔ تو انکی
اصطلاح سے باطل بھی ہو جائیگا۔ فتح القدیر میں فرمایا
پیسوں میں گنتی سے بدنی جائز ہے۔ اسی طرح امام
محمد نے جامع میں ذکر فرمایا۔ اور کسی خلاف کا نام
نہ لیا۔ تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی اور
بعض نے کہا۔ کہ یہ قول شیخین کا ہے۔ امام
محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ
دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں۔

Marfat.com

لانها اثمان واذا كانت اثمانا لم يجز السلم فيها لكن ظاهر الرواية عنه الجواز والفرق له في البيع و السلم ان من ضرورة السلم كون المسلم فيه مثمنا فاذا اقدما على السلم فقد تضمن ابطالهما اصطلاحهما على الثمنية ويصير السلم فيها على الوجه الذي يتعامل فيها به وهو العد بخلاف البيع فانه يجوز رد وده على الثمن فلا موجب لخروجها فيه عن الثمنية فلا يجوز التفاضل فامتنع بيع الفلس بالفلسين اه

اقول لكن في الفرق نظر فان محمدا لا يقول بخروجها عن الثمنية بمجرد قصد العاقدين مع اتفاق سائر الناس عليها قال في الهداية يجوز بيع الفلس بفلسين بعينهما عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى لا يجوز لان الثمنية ثبتت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما واذا بقيت اثمانا

کہ وہ ثمن ہیں۔ اور جب وہ ثمن ہوئے تو اون میں بدنی جائز نہ ہوئی۔ مگر روایتِ مشہورہ میں امام محمد سے بھی جواز ہی ہے۔ اور بیع اور بدنی میں جو یہ فرق کرتے ہیں کہ بدنی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز دھرے پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو۔ تو جب اونہوں نے پیسوں کی بدنی پر اقدام کیا۔ تو ضمناً اونکی اصطلاحِ ثمنیت کو باطل کر دیا۔ اور اونکی بدنی اسی طور پر جائز ہے۔ جس طرح اون میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر۔ بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہو سکتی ہے۔ تو بیع میں اون کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں۔ تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی۔ اور ایک پیسہ کی دو پیسہ سے بیع منع ٹھہری۔ انتہی

اقول مگر اس فرق میں اعتراض ہی اسلئے کہ امام محمد اسکے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہو جائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اونکے ثمن ہونے پر متفق ہیں۔ ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم و امام ابو یوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جائز نہیں۔ اسلئے کہ اونکا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوا تھا۔ تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہو جائیگا۔ اور جبکہ وہ ثمنیت باقی رہے

Marfat.com

لا تتعين. فصار كما اذا كانا
بغير اعيانهما. وكبيع الدراهم
بالدراهمين ولهما ان الثمنية
في حقهما تثبت باصطلاحهما الى
اخر ما تقدم وقد اقره المحقق
في الفتح وقرره على هذا النهج
فكيف يقول محمد ههنا ان
اقدامهما على التسليم ابطال منهما
لاصطلاح الثمنية الا ان يقال
ان هذا رجوع عن التعليل الاول
ولم يكن عن نص محمد وانما
ابداه المشائخ وظهر الان
بهذا الفرق ان الوجه لمحمد
لم يكن ذلك بل هو ايضا قائل
بان لهما ابطال الاصطلاح
في حقهما ولكن اذا ثبت هذا
عنهما وقد ثبت في التسليم لان
المسلم فيه لا يكون ثمنا قط
فاقدامهما على جعلها مسلما
فيها دليل على الابطال ولم يثبت
في البيع اذ ليس من ضرورته ان
لا يكون المبيع ثمنا فلم يثبت
منهما ابطال الاصطلام فبقيت اثمانا

تو متعین نہ ہونگے۔ تو یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ایک
پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا۔ اور جیسے ایک
معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا۔ اور شیخین
کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں اون
کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ
تک۔ اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر
رکھا اور اسی طور پر اسکی تقریر کی۔ تو امام محمد
یہاں کس طرح فرمائینگے۔ کہ عاقدین کا اونکی بدنی
پر اقدام کرنا اونکی اصطلاح ثمنیت کو باطل
مان لینا ہے۔ مگر یہ کہا جائے۔ کہ یہ پہلی تعلیل سے
رجوع ہے۔ اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول
نہ تھی۔ مشائخ نے پیدا کی تھی۔ اور اب اس فرق
سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی
بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے
حق میں ثمنیت باطل کر دینیکا اختیار ہے۔ مگر یہ جب ہو
کہ عاقدین سے ابطالِ ثمنیت کا ارادہ ثابت
ہو جائے۔ اور وہ بدنی میں ضرور ثابت ہو گیا۔
اسلئے کہ اوس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھیرے وہ کبھی
ثمن نہیں ہو سکتی۔ تو پیسوں میں بدنی پر اونکا اقدام
اون کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے۔ اور بیع میں
اونکا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اوس میں مبیع کا ثمن نہ
ہونا کچھ ضرور نہیں۔ تو عاقدین سے ابطالِ اصطلاح
ثابت نہ ہوا۔ تو پیسے بحال خود ثمن رہے۔

فلم تتعين فبطل البيع وهذا التقرير على هذا الوجه. وبما يميل الى ترجيح قول محمد فى البيع فافهم والله تعالى اعلم ؛

تو متعین نہ ہوئے۔ تو بیع باطل ہوئی۔ اور یہ تقریر اس طرز پر کبھی اس طرف جھکی گی کہ مسئلہ بیع میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم +

و امّا الحادی عشر

فاقول نعم يجوز بيعه بازيد من رقمه وبانقص منه كيفما تراضيا لما علمت ان تقديرها بهذه المقادير انما حدث باصطلاح الناس وهما لا ولاية للغير عليهما كما تقدم عن الهداية والفتح فلهما ان يقدرا ايما شاءا من نقص و زيادة

جواب سوالِ یازدہم

اقول ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہو اوس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہو جائے اوسکا بیچنا جائز ہو اسلئے کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف ان لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے۔ اور بائع و مشتری پر اونکے غیر کی کوئی ولایت نہیں جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گزرا۔ تو اون دونوں کو اختیار ہو کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں

لہ یشیر الی الجواب بان الحاجة الی التصحیح العقد تکفی قرینة علی ذلك ولا یلزم کون ذلك ناشئا عن نقص ذات العقد کمن باع درهما و دینارین بدرهمین و دینار یحمل علی الجواز صرفا للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لا تابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققه فما الحامل علیه الا حاجة التصحیح وکم له من نظیر اه منه

لہ یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہو کہ عقد صحیح کرنے کی حاجت اسپر کافی قرینہ ہو۔ اور اسکا خود ذات عقد کی طرف سے ناشی ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں دو روپوں اور ایک اشرفی کو بیچے۔ تو اسصورت جواز پر حمل کرینگے۔ جنس کو غیر جنس کیطرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کو مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود کا شبہ مثل حقیقت کے ہو۔ تو اسپر صرف یہی حاجت تصحیح عقد باعث ہے۔ اور اس کی نظیریں بکثرت ملتی ہیں اھ منہ

Marfat.com

وقد تم الجواب بهذا القدر عند
كل من له سلامة الفكر وقد
افيت به مرارا و وافقني عليه
ناس من كبار علماء الهند كالفاضل
الكامل محمد ارشاد حسين
الرام فوري رحمه الله تعالى وغيره
وما خالفني الا رجل[1] من لكنؤ ممن
يعد من الاعيان ويشار اليه
بالبنان ولم اطلع على خلافه الا
بعد موته لما طبعت وريقات
باسم فتاواه ولو راجعته في
حياته لرجوت ان يرجع لان الرجل
كان اذا عرف عرف واذا عرف
انصرف فالان ازيدك بيانا بعد
بيان لا يبقى انشاء الله تعالى للحق
الا القبول والاذعان ۔

(ف) الرد الاول على اللكنوي

فاقول اولا نص علماؤنا
قاطبة ان علة حرمة الربا
القدر المعهود بكيل او وزن
مع الجنس فان وجدا حرم
الفضل والنسيا وان عدما
حلا وان وجد احدهما حل الفضل

اور جو شخص فکر سلیم رکھتا ہی اُسکے نزدیک جواب اتنے
ہی سے پورا ہو گیا۔ اور میں نے بارہا اسپر فتوی دیا
اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتوے
ہوا۔ جیسے فاضل کامل مولوی محمد
ارشاد حسین صاحب رام پوری
رحمۃ اللہ تعالے علیہ وغیرہ۔ اور اس میں میرا خلاف
نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک[1] شخص نے۔ جو عمائد سے
گنے جاتے۔ اور اُنکی طرف انگلیاں اُٹھتیں۔ اور
مجھے اُن کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر اونکی موت
کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق اونکے فتاوی کے نام سے
چھپے۔ اور میں اونکی زندگی میں اگر اس بارے میں گفتگو
کرتا۔ تو امید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے۔ کہ اُن صاحب
کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور
جب سمجھ لیتے تو واپس آتے۔ تو اب میں تجھے ایضاح
کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو انشاء اللہ تعالے
حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے

(ف) لکھنوی صاحب پر پہلا رد

فاقول اولا ہمارے جمیع علماء رحمہم
اللہ تعالے نے تصریح فرمائی۔ کہ حرمت
ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ماپ
یا تول ہے اتحاد جنس کیساتھ۔ تو اگر قدر و
جنس دونو پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام
ہیں۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے۔ تو بیشی حلال

[1] یدعی المولوی عبد الحی اللکنوی اھ ۱۲ منہ

[1] جنکو مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی کہا جاتا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

وحرّم النّسیأ وھٰذہ قاعدۃ غیر منخرمۃ وعلیھا تدور جمیع فروع الباب ومعلوم ان لا اشتراک فی النّوط والدّراھم فی جنس ولا قدر اما الجنس فلان ھٰذا قرطاس و تلک فضّۃ۔ واما القدر فلانّ الدّراھم موزونۃ ولا قدر للنّوط اصلًا لا مکیل ولا موزون فیجب ان یحلّ الفضل والنّسیأ جمیعًا فاذن لیس النّوط من الاموال الرّبویۃ اصلًا۔ وسنزید ذلک تحقیق الامر فی ذٰلک عن قریب انشاء اللہ تعالٰی

وثانیًا قال فی ردّ المحتار وغیرہ کلّما حرّم الفضل حرّم النّسیأ ولا عکس وکلّما حلّ النّسیأ حلّ الفضل ولا عکس وقد اقمنا البرھان القاطع فی جواب التّاسع علی حلّ النّسیأ ھھنا فوجب حلّ الفضل وانتظر ما یأتی

وثالثًا ھٰذا سیّدنا رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم یقول اذا اختلفت ھٰذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم رواہ مسلم

اور ادھار حرام ہے۔ اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں۔ اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں۔ اور معلوم ہے۔ کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے۔ نہ جنس میں۔ جنس میں تو اسلئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی۔ اور قدر میں اس لئے نہیں۔ کہ روپے تول کی چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی اور نہ ماپ کی۔ تو واجب ہوا کہ بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں۔ تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربا ہی سے نہیں۔ اور ہم انشاء اللہ تعالٰی عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے

ثانیًا ردّ المحتار وغیرہ میں فرمایا۔ جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اسکا عکس نہیں۔ اور جہاں ادھار حلال ہے بیشی بھی حلال ہوتی ہے۔ اور اسکا عکس نہیں اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کر چکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے۔ تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو۔ اور آئندہ تقریر کے منتظر رہیے۔

ثالثًا یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں جب جنس مختلف ہو۔ تو جیسے چاہو بیچو۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں

Marfat.com

عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه فمن الحاجر بعد اذن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم

(ف) الرد الرابع الجلیل علیه

و رابعًا هذه دلائل واضحة لا تخفی حتی علی الصبیان والآن آتیك بشیء یکون لك فیه مجال تکلم بحسب عقلك ثم اکشف الحجاب لابانة الصواب ۔

(مطلب) جواز التفاضل بالمالیة حق فی الربویات

فاقول ارأیتك هل لیس من المعلوم عندك وعند کل من له عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیه بین الناس بعشرة دراهم یجوز لکل احد ان یبیعه برضا المشتری بمائة او یعطیه بفلس واحد ولا حجر فی شیء من ذلك عن الشرع المطهر قال الله تعالیٰ

اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ

وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکره وکل احد یعلم ان قطعة قرطاس لا تبلغ قیمته الفا ولا مائة ولا درهما واحدا قط

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے ؟

(ف) ان پر جو تمہارے جلالت والا

رابعًا یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں۔ اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو۔ پھر اظہار صواب کے لئے اوس کا پردہ کھولوں ۔

(ف) اگر چہ ان چیزوں میں جنمیں کمی بیشی جائز ہے اگرچہ ان چیزوں میں جنمیں کمی بیشی سے سود ہو جاتا ہے

اقول بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی علم کو معلوم نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اوسے سو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دیدے۔ اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ ۔ مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا۔ اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا۔ جائز ہے۔ اور اصلاً مکروہ بھی نہیں۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے۔ نہ سو تک۔ نہ ایک روپے تک

فما ذٰلك الا لان القيمة والثمن
متغايران ولا يجب عليهما التقيد
بها فيما تامنا بل لهما ان يقدرا
الثمن باضعاف القيمة او بجزء من
مائة جزء لها

فان قلت هذا في السلعة اما النقوط
فثمن اصطلاحا قلت اولا فكان ماذا وقد
ابنت الجواب بقولك اصطلاحا
فان اصطلاح غيرهما ليس مكرها
لهما فضاع الفرق وضاء الحق -
وثانيا ان سلمنا انهما لا يقدران
على ابطال الثمنية فمن اين لك
ان الاثمان الاصطلاحية لا يمكن
التغيير فيها عن التقدير المصطلح
الا ترى ان فلوس دبية متعينة
بتعيين العرف ابدا فكل صبي
عاقل يعقل ان دبية بست عشرة انة
لا بخمس عشرة ولا بسبع عشرة ثم
هذا التعيين العرفي وكونهما اثمانا
مصطلحة لا يحرم على العاقدين النقص
والزيادة قال في التنوير وشرحه للعلائي

تو اسکا یہی سبب ہی کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں
اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی
ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو انکی باہم قرار داد ہو) بلکہ انہیں
اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر
رضامندی کرلیں - یا اوسکے سویں حصہ پر ۔

اب اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا
حکم ہے - اور نوٹ تو اصطلاح
میں ثمن ہے - میں کہوں گا
اولا پھر کیا ہوا - تو نے اصطلاح
کہکر خود ہی جواب ظاہر کر دیا - کہ اوروں کی
اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی - تو
فرق ضائع ہوا - اور حق واضح ہو گیا -
ثانیا ہم نے مانا کہ عاقدین ابطال ثمنیت
پر قادر نہ ہوں - تو یہ تو نے کہاں سے نکالا -
کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغیر
جائز نہیں - کیا تو نہیں دیکھتا - کہ ایک پیسے
کے پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین
رہتے ہیں - کہ ہر سمجھ دار بچہ جانتا ہے
کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے - نہ پندرہ
کا - نہ سترہ کا - پھر یہ عرفی تعیین اور پیسہ
کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع و مشتری پر
کمی بیشی حرام نہیں کرتا - تنویر الابصار
اور اوس کی شرح درمختار میں فرمایا

Marfat.com

من اعطى صيرفيا درهما كبيرا فقال اعطني به نصف درهم فلوسا و نصفا الاحتبة جاز و يكون النصف الاحتبة بمثله وما بقي بالفلوس اه ولفظ الهداية لو قال اعطني نصف درهم فلوسا ونصفا الاحتبة جاز۔

جس نے صراف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اسکے عوض مجھے آٹھ آنہ کے پیسے دیدے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر کم ہو۔ تو ایسی بیع جائز ہے۔ روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو۔ وہ تو اس کے عوض دیجائیگی۔ اور باقی کے عوض پیسے انتہی اور ہدایہ کی عبارت یوں ہے۔ کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دیدے اور رتی کم اٹھنی۔ تو جائز ہے ۔

وثالثا۔ اغلى عن الثمن الاصطلاحي هذان جزان ثمنان خلقة ولا يقدر احد على ابطال ثمنيتهما وقد حقل كل من عقل ان الدينار يساوي ابدا عدة دراهم ولا يوجد دينار قط يقوم بدرهم واحد و مع ذلك نص ائمتنا ان بيع دينار بدرهم صحيح لا ربا فيه وما ذلك الا لان الجنس اذا اختلف حل التفاضل واختلاف جنس الفلوس والنبابي مما لا يجهله الا مجنون قال في الهداية و الله در عامة الاسفار الغر صح بيع درهمين و دينار بدرهم و دينارين لصرف الجنس بخلاف جنسه وكذا بيع احد عشر درهما بعشرة دراهم و دينار ۔

ثالثاً ثمن اصطلاحی سے اوپر چل۔ یہ ہیں سونا چاندی۔ کہ اصل پیدائش میں ثمن ہیں۔ اور کوئی شخص انکی ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے۔ اور ہرگز کوئی اشرفی نہ پائی جائیگی جو ایک روپیہ قیمت کی ہو۔ اور باوصف اسکے ہمارے ائمہ نے تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپیہ کو بیچنا صحیح ہے۔ اور اسمیں اصلاً ربا نہیں۔ اور اس کے سوا اور سکا کوئی سبب نہیں۔ کہ جب جنس مختلف ہوں۔ تو کمی بیشی جائز ہے۔ اور نوٹ اور روپوں کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام نورانی کتابوں میں فرمایا۔ دو روپوں اور ایک اشرفی کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست ہے۔ کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل کر دیجائیگی۔ اسی طرح گیارہ روپوں کو دس روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی

Marfat.com

قال ابن عابدين فتكون العشرة بالعشرة
والدرهم بدينار اه فاذا صح
بيع ربية بجنسه قيمته بالعرف
العام خمس عشرة ربية ولم يكن
ربا فكيف يكون بيع نوط مرقوم
عليه رقم عشرة باثنتي عشرة
ربية ربا ما هذا الا بهت بحت

فان قلت ما ذكرتم من
المسائل وان صح البيع فيها
لكنه مكروه والمكروه ممنوع
فلا يحل وان صح كذا هذا
قال في الهداية لو تبايعا
فضة بفضة او ذهبا بذهب
واحدهما اقل ومعه اقلهما شئ
اخر تبلغ قيمته باقي الفضة جاز
البيع من غير كراهية وان لم تبلغ
فمع الكراهة وان لم يكن له قيمة
كالتراب لا يجوز البيع لتحقق الربا
اذ الزيادة لا يقابلها عوض
فيكون ربا اه واكثره في الفتح
والشروح والبحر وردّ المحتار وغيرها
ومعلوم ان مطلق الكراهة ينصرف
الى كراهة التحريم بل قال عبد الحليم

ردّ المحتار میں فرمایا۔ دس روپے تو دس
روپے کے بدلے ہو جائیں گے۔ اور گیارہ پیسے
روپے کے بدلے ایک اشرفی۔ انتہی۔ تو جب
ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا درست ہو
جس کی قیمت عام طور پر پندرہ روپے ہیں۔ اور
ربا نہ ہوا۔ تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر
سود ہوگا۔ یہ تو نرا بہتان ہے ۔

اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم نے ذکر کیے ان
میں اگرچہ بیع صحیح ہے۔ مگر مکروہ ہے۔ اور مکروہ
ممنوع ہوتا ہے۔ تو حلال نہ ہوگا۔ اگرچہ صحیح
ہوا۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ ہدایہ میں فرمایا۔
اگر چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے
سے بیچا۔ اور ایک طرف کم ہے۔ اور اس کیساتھ
کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی
کے برابر ہے جب تو بیع بلا کراہت جائز ہے۔
اور اگر اتنی قیمت کی نہیں۔ تو کراہت کے ساتھ
اور اگر اسکی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی۔ تو اب بیع
جائز ہی نہ ہوگی۔ کہ سود موجود ہے۔ اس لئے کہ
جتنی زیادتی ایک طرف رہی اس کے مقابل
دوسری طرف کچھ نہیں۔ تو سود ہوگا۔ انتہی۔ اور اس
کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور ردالمحتار وغیرہا میں
برقرار رکھا۔ اور معلوم ہے کہ مطلق کراہت جب مطلق بولتے
ہیں تو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ خلیل عبدالحلیم نے

Marfat.com

على الدرهم بعد نقل المسئلة واحالة
تفصيلها على الفتح ما نصه اذا
عرفت هذا فما يتداول فى الدولة
العثمانية من بيع قرش واحد بثمانين
درهما عثمانيا لم يجز لزيادة القرش
ولو كان مع الدراهم نحو فلس
جاز مع الكراهة فالواجب على
المحتاط تسويتهما وزنا او يكون
قيمة ما كان مع الدراهم قدر
قيمة الزيادة حتى يخلص عن عهدة
الكراهة اه فقد صرح بالوجوب
فكان فى خلافه كراهة تحريم و
كفى بها للتأثيم **قلت** جئت
لك بتقرير الاعتراض بما لو ابديته
من لفسك لعلك لم تقدر على
احسن منه والان إسمع الجواب
بتوفيق الوهاب عز جلاله:-
امّا اوّلًا فلانه أين ذهب
عنك فرق الخلق والاصطلاح
فان مالية الذهب وكونه
اعز من اضعاف وزنه من
الفضة امر خلقى لا مدخل
فيه لغرض احد ولقديره ففى مقابلة

حاشیہ درمیں یہ مسئلہ نقل کیا۔ اور اوسکی تفصیل
کو فتح القدیر پر حوالہ کرکے یوں کہا۔ جب تجھے
یہ معلوم ہوچکا۔ تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں
رائج ہے۔ کہ ایک قرش اسّی روپے عثمانی کو
بیچتے ہیں۔ جائز نہیں۔ اسلئے کہ قرش زائد ہے
اور اگر روپوں کیساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو۔ تو کراہت
کے ساتھ جائز ہے۔ تو احتیاط والے پر واجب
ہے کہ اون دونوں کا وزن برابر کرلے۔ یا وہ
چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اوسکی قیمت
کی ہو جسقدر قرش میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ
کراہت سے عہدہ برآ ہو۔ انتہی۔ تو اونہوں نے وجوب
کی تصریح کردی۔ تو اسکا خلاف مکروہ تحریمی ہوا
اور گناہ کیلئے کراہت تحریم کافی ہے میں کہونگا
کثیر سے لئے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر
تقریر کردی۔ کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید
اس سے بہتر نہ کرسکتا۔ اور اب وہاب جل
جلالہ کی توفیق سے جواب سُن :-

(۱) اوّلاً پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے
ذہن سے کدھر جاتا رہا۔ کہ
سونے کی مالیت اور اوس کا
چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی
بات ہے۔ جس میں کسی کے
فرض و قرار داد کو دخل نہیں تو ایک

Marfat.com

دینار بدرهم ینقدح رجحان المالیة فی کل ذهن بخلاف النّوط فان تقدیره بعشرة مثلا انما هو مجرّد اصطلاح من النّاس والّا فنفس القرطاس لا یساوی درهما ولا عُشرہ فان نظرت الی الاصل فبیع ما قدر بعشرة بعشرة ایضا رجحان عظیم فی المالیّة وان نظر الی الاصطلاح فالاصطلاح غیر حاکم علی العاقدین کما اسمعناك نصّ الهدایة والفتح فاذا قدرہ النّاس بعشرة وما هو فی اصله الّا بفلس مثلا فما المانع لهما ان یقدراہ باثنی عشر فصاعدا او ثمانیه فما دونها فلا مساس لهٰذہ المسئالة بما نحن فیه

(ف) الجواب الثانی عنها

وَ اَمّا ثانیا فلانّ کلامهم فی مقابلة الجنس بالجنس اذ فیه یظهر الفضل الا تری الی قوله تبایعا فضّة بفضّة او ذهبا بذهب واحدهما اقلّ ولم یقل تبایعا فضّة بذهب واحدهما اقلّ مالیة بالسّعر المعهود فاذا قوبل الذّهب

اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیّت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائیگی۔ بخلاف نوٹ کے۔ کہ مثلاً اوس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے۔ ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپے کا ہے۔ نہ روپے کے دسویں حصّہ کا۔ تو اگر تُو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے۔ اور اگر اصطلاح کو دیکھیں۔ تو اصطلاح بائع و مشتری پر حاکم نہیں۔ جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ اور فتح القدیر کا نص سُنا دیا۔ تو جب لوگوں نے اسے دس کا قرار دے لیا اور وہ اپنی اصل میں ایک ہی پیسے کا ہے۔ تو بائع و مشتری اس سے کون منع کرتا ہے کہ وہ اوسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھیرالیں تو اس مسئلہ کو ہماری بحث سے کوئی علاقہ نہیں

(ف) اُس کا دوسرا جواب

ثانیا۔ اونکا کلام اوس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو۔ کہ اوسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے۔ کیا تُو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا۔ کہ جب چاندی چاندی سے۔ یا سونا سونے سے بیچا۔ اور ایک طرف کمی ہے۔ اور یوں نہ فرمایا کہ سونے کو چاندی سے بیچا۔ اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیّت کم ہے تو سونا

Marfat.com

بالذهب المساوی له ظهر الفضل و
حینئذ یمیز العقل ان المضاف
هل یبلغ مقدار هذا الفضل اولا
بخلاف النوط بالدراهم فانهما جنسان
مختلفان فانی یظهر الفضل ومتی
یطابق الفرع الاصل قال فی الفتح
الربا هو الفضل المستحق لاحد
المتعاقدین فی المعاوضة الخالی
عن عوض شرط فی العقد وعلمت
ان الخلو فی المعاوضة لا یتحقق
الا عند المقابلة بالجنس اھ
وقد قال سیدنا رسول الله صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم اذا اختلف النوعان
فبیعوا کیف شئتم فهذا اطلاق
منه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و
هو الشارع والیه المرجع والیه
المفزع ومن حجر بعده ما سوغه
فیرد علیه ولا یسمع

وَاَمَّا ثالثاً فان الکراهة
فیما اذا لم یبلغ المضموم قیمة
الفضل انما اثرت عن محمد
اما الامام الاعظم والهمام الاقدم
وصاحب المذهب الاکرم رضوان الله تعالیٰ علیهم

اپنے برابر کے سونے کے برابر حیب کیا جائیگا زیادتی
ظاہر ہوجائیگی۔ اور اوسوقت عقل یہ تمیز کریگی کہ وہ
چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہی اس زیادت کے
قدر کو پہنچتی ہی یا نہیں۔ بخلاف اوسکے کہ نوٹ روپوں
کو بیچیں۔ کہ وہ دو جنس مختلف ہیں۔ تو زیادتی کدھر
سے ظاہر ہوگی۔ اور یہ فرع اوس اصل کے کیونکر مطابق
آئیگی۔ فتح القدیر میں فرمایا ربا وہ زیادتی ہی کہ عقد
معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اوسکا مستحق قرار
دیا جائے اور اوس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اوس
عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو۔ اور تجھے معلوم ہوا کہ عوض سے
خالی ہونا اسوقت متحقق ہوگا جبکہ شئے کا اسکی جنس سے مقابلہ کیا جائے
اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ کہ جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں۔ تو جیسے
چاہیے بیچو۔ تو یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے
اجازت ہی اور حضور ہی صاحب شرع ہیں۔ اور
حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور کی یہاں پناہ تو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو کوئی منع کرے
تو اوسکا منع کرنا اوسی پر رد کیا جائیگا۔ اور مسموع نہ ہوگا

ثالثاً جس حالت میں کم کیساتھ ملائی
ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ
پہنچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے
اور امام اعظم ہمام اقدم صاحب مذہب
اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فقد نص علی عدم الکراھۃ فیہ قال
فی الفتح بعد ذکر المسئالۃ قیل لمحمد
کیف تجدہ فی قلبک؟ قال مثل الجبل
و لم ترو الکراھۃ عن ابی حنیفۃ بل
صرح فی الایضاح انہ لا باس بہ عند
ابی حنیفۃ اھ و سیأتی فی مثلہ
عن البحر عن القنیۃ عن البقالی ان
عدم الکراھۃ ھو مذھب ابی حنیفۃ
و ابی یوسف معا رضی اللہ تعالیٰ عنھما
و فی الھندیۃ قبیل الکفالۃ عن
محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ
انہ قال لو باع الدرھم و فی احدھما
فضل من حیث الوزن و فی الاٰخر فلوس
جاز و لکن اکرھہ لان الناس یعتادون
التعامل بمثل ھذا و یستعملونہ
فیما لا یجوز و قال ابو حنیفۃ رحمہ
اللہ تعالیٰ لا باس بہ لانہ امکن تصحیحہ
بان یجعل الفضل بازاء الفلوس

(مطلب) الفتوی علی قول الامام مطلقا الا لضرورۃ

و بالجملۃ النقل عن الامام فاش
مستفیض و معلوم ان العمل
والفتوی علی قول الامام علی
الاطلاق الا لضرورۃ کتعامل
بخلافہ و نحوہ و قد فصلناہ فی کتاب النکاح

تصریح فرمائی کہ اوس میں کچھ کراہت نہیں۔ فتح القدیر
میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا۔ امام محمد سے عرض کیگئی
کہ اسکو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا پہاڑ
کی طرح گراں۔ اور امام اعظم سے کراہت مروی نہیں۔
بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی۔ کہ اوسمیں امام اعظم کے
نزدیک کچھ ہرج نہیں۔ انتہی۔ اور اس صورت کی مثل
میں عنقریب بحر سی بحوالہ قنیہ آتا ہی کہ امام بقالی نے فرمایا
کہ اسمیں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف
رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا مذہب ہے۔ اور فتاوی
عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بحوالہ محیط امام
سرخسی امام محمد سے ہے۔ کہ اگر ایک روپیہ
ایک روپیہ کو بیچا۔ اور ایک وزن میں زیادہ ہی اور
کم وزن والے کیساتھ کچھ پیسے ہیں۔ تو جائز ہے۔ مگر
میں اوسے مکروہ سمجھتا ہوں۔ کہ لوگ اس قسم کے
معاملے کے عادی ہو جائیں گے۔ پھر ناجائز جگہ
بھی یہ کارروائی کرنے لگیں گے۔ اور امام اعظم نے فرمایا
اس میں کچھ حرج نہیں۔ اسواسطے کہ اوسی یوں صحیح
ٹھیرانا ممکن ہی کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہو جائے

(ف) فتوی ہمیشہ قول امام پر ہے۔ مگر بضرورت

بالجملہ امام سی یہ روایت مشہور و معروف ہی اور
معلوم ہی کہ عمل و فتوے ہمیشہ قول امام پر
ہے۔ مگر کسی ضرورت سی جیسے کہ عملدرآمد
مسلمانوں کا اوسکے خلاف پر ہو گیا ہو۔ اور
ایسی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں

Marfat.com

من العظايا النبوية بما لا مزيد عليه

وَاَمّا رابعاً وهو الطراز المعلم فَلاِنّ الحق ان هٰذه الكراهة ليست[1] الا كراهة تنزيه ولا تغتر بالاطلاق

اسے ایسا مفصل بیان کیا ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں

رابعاً - اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ کہ یہ کراہت[1] صرف کراہت تنزیہی ہے - کراہت کے مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا

---

[1] اقول محمد لو تو نے کیا جانا کیا محمد بحمد سردار ہیں سردار کئے گئے مذہب مسدد کی تحریر و تلخیص فرمانے والے - وہ جامع کبیر ہیں وہ کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہی نظر فرماتے ہیں جب کھری روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو کسی میں دو تہائی پیتل کسی میں آدھوں آدھ چاندی تو انمیں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے روپے سے کمی بیشی کیسا تھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اسلئے کہ اسکی چاندی اس کے پیتل سے بیچنا قرار دینگے - اور اسکی چاندی اسکی پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے - ہاں اودھار بیچنا روا نہ ہوگا کہ دونوں کو فدن شامل ہے - اور دونوں ثمن ہیں - تو اودھار حرام ہے - رہا انمیں کسی قسم کا روپیہ اوسی قسم کے روپیہ سے کمی بیشی کو بیچنا - اسمیں اگر اوس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب الاعتبار ساقط ہے تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی - اوسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کا مقابلہ کریگی اور دست بدست ہونا ضرور ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ باعیا تہا ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی - اسی فتاوی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں جو کھوٹی روپے عرفی نام سے چلتی ہیں انمیں ایکروپیہ اور روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہی انتہی - اقول اور جیسے کمی بیشی روا ہوئی - تو جیسے ایکروپیہ دو روپے کو بیچنا ایسے ہی سئہ - ویسے ہی ہزاروں کو - اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جسمیں دو تہائی پیتل ہے تول میں اوس روپے کا پونا ہے جسمیں آدھی چاندی ہے - تو اوسکی دو تہائی اور اسکا آدھا تول میں برابر ہونگے - اور انمیں کا ایکروپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا - اور یہ ضرور ہے کہ جنس کو ثم

(ف) فی اطلاق الکراھۃ

فانّھم ربّما یطلقون ویریدون به ما ھو اعمّ من التّنزیه و التّحریم و ربّما یطلقون ولا یریدون به الّا کراھة التنزیه کما لا یخفٰی علٰی من عاشر نفائس عرائس کلماتھم وقد نصّوا علیه فی غیر موضع قال فی ردّ المحتار قبیل باب الشّھید ما ذکرہ غیرہ ای غیر الامام الطّحطاوی من کراھة الوطء والقعود ای علی القبور یراد به کراھة[1] التنزیه فی غیر قضاء الحاجة وغایة ما فیه اطلاق الکراھة علی ما یشمل المعنیین وھذا کثیر فی کلامھم ومنه قولھم مکروھات الصلوٰة اھ

(ف) کراہت کے اطلاق

کہ فقہاء بارہا اوسے مطلق چھوڑتے ہیں۔ اور اوس سے مراد وہ معنی ہوتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں۔ اور بارہا مطلق بولتے ہیں۔ اور اوس سے صرف کراہت تنزیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اوس پر پوشیدہ نہیں جس نے اونکے کلمات کی نفیس دولھوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ اور علماء نے اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی۔ ردّ المحتار میں باب شہید سے کچھ پہلے ہے امام طحطاوی کے سوا اور علماء نے جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے قضائے حاجت کے سوا اور صورتوں میں اوس سے کراہت تنزیہ مراد ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اسمیں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم و تنزیہ دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ اونکے کلام میں بکثرت ہے۔ اسی باب سے ہے فقہاء کا مکروہات نماز فرمانا۔ انتہٰی۔

(بقیہ حاشیہ ص۷۳) وھذا المحرّر المذھب محمّد ناصا علی انّه لا بأس به فوجب ان لا تکون الکراھة ان کانت الّا کراھة تنزیه ولا کلام لاحد بعد نصّ صاحب المذھب فعلیک به وباللّٰه التّوفیق اھ

[1] ھذا ما مال الیه ھنا والحقّ کراھة التّحریم کما حقّقتُه فی رسالتی الامر باحترام المقابر ۱۲۹۸ھ وقد اعترف به ھذا المحقّق اعنی الشّامی فی کتابه ھذا فی فصل الاستنجاء اذ قال انّھم نصّوا علی ان المرور فی سکّة حادثة فی المقابر حرام اھ منه

اور یہ محرر مذہب محمد ہیں۔ کہ صاف فرما رہے ہیں۔ کہ اسمیں کوئی حرج نہیں۔ تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو۔ تو صرف کراہت تنزیہی ہو۔ اور خود صاحب مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے

[1] یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے۔ اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ الامر باحترام المقابر ۱۲۹۸ھ میں اس کی تحقیق کی۔ اور بیشک محقق شامی خود اپنی اس کتاب کی فصل استنجا میں اوسکے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے۔ تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اوس میں چلنا حرام ہے۔ انتہٰی ۱۲ منہ

Marfat.com

بل قال فی الدر المختار من فصل الاستنجاء تحت قول الماتن یکرہ للمرأۃ امساک صغیر لبول نحو القبلۃ الخ ھذہ تعم التحریمیۃ والتنزیھیۃ اھ وقال الشامی فی مکروھات الوضوء لیست الکراھۃ مصروفۃ الی التحریم مطلقًا اھ وقال قبلہٗ بقلیل تحت قولہ ومکروھہ ھو ضد المحبوب قد یطلق علی الحرام وعلی المکروہ تحریما وعلی المکروہ تنزیھًا ثم نقل عن البحر ان المکروہ فی ھذا الباب نوعان ما کرہ تحریمًا وھو المحمل عند اطلاقھم الکراھۃ و المکروہ تنزیھا وکثیرا ما یطلقونہ کما فی شرح المنیۃ فحینئذ اذا ذکروا مکروھًا فلا بدّ من النظر فی دلیلہ فان کان نھیًا ظنیا یحکم بکراھۃ التحریم الا لصارف فان لم یکن نھیًا بل مفید الترک الغیر الجازم فھی تنزیھیۃ اھ ملخصا قلت ومن الاخیر قول المتون کالتنویر وغیرہ یکرہ امامۃ عبد قال فی الدر تنزیھا قال ابن عابدین لقولہ

بلکہ درمختار کی فصل استنجا میں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کیلئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا یہ کراہت تحریم وتنزیہ دونوں کو عام ہے انتہی۔ اور شامی نے مکروہات وضو میں فرمایا۔ کراہت مطلقًا تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتہی اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ ہیں یہ فرمایا۔ کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے۔ اور کبھی مکروہ تحریمی پر۔ اور کبھی مکروہ تنزیہی پر۔ پھر بحر الرائق سے نقل کیا۔ کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی۔ اور جب وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں۔ تو اسی پر محمول ہوتی ہے۔ دوسرا مکروہ تنزیہی۔ اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے ہیں۔ جیسا کہ شرح منیہ میں ہے۔ اور جب بات یہ ہے تو جسوقت فقہا کسی شئے کو مکروہ کہیں۔ تو اسکی دلیل پر نظر لازم ہوگی۔ اگر وہ دلیل کوئی ظنی نہی ہے۔ تو کراہت تحریم کا حکم دینگے۔ مگر کسی اور دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے۔ اور اگر وہ دلیل نہی نہ ہو۔ بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہو۔ تو وہ کراہت تنزیہی ہے انتہی ملخصًا میں کہتا ہوں مثل اخیر سے ہر متن مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ ہے۔ درمختار میں فرمایا تنزیہًا۔ شامی نے کہا

Marfat.com

فی الاصل امامة غیرهم احبّ
الیّ بحر عن المجتبٰی والمعراج اھ
اذا علمتَ هٰذا وجب التفحص
عن الدّلیل انّه الیٰ ایّ
الکراهتین یمیل کما افاده
البحر فی البحر فرأیناهم
یستدلّون علی الکراهة
المذکورة بوجهین لایفید
شیٔ منهما کراهة التحریم وانّما
قصاریٰهما التنزیه قال فی العنایة
الکراهة امّا لانّه احتیال لسقوط
الرّبا فیصیر کبیع العینة فی اخذ
الزّیادة بالحیلة واما لانّه یفضی
الیٰ ان یألف النّاس فیستعملوا
ذٰلك فیما لایجوز اھ ونقل فی
الفتح عن الایضاح الوجه الثّانی
ثمّ قال وهٰکذا ذکر فی المحیط ایضًا
ثمّ قال وقیل انّما کرهه لانّهما
باشرا الحیلة الیٰ اٰخرما مرّ فی
الوجه الاوّل وصاحب العنایة
بعد ذکره الوجهین عاد فحصر
فی الوجه الاول حیث قال الکراهة
انّما هی للاحتیال لسقوط بالفضل اھ

ایکا تنزیہی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا اونکی غیر
کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بحر الرائق میں مجتبیٰ اور معراج سے ہے اھ
جب تجھے یہ معلوم ہو لیا۔ تو واجب ہوا
کہ دلیل تلاش کریں کہ وہ دونو کراہتوں
میں کس طرف جھکتی ہے جیسا کہ دریا
علم نے بحر الرائق میں افادہ فرمایا۔ اب
ہم نے علماء کو دیکھا کہ اوس کراہت پر
دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اور اُن
میں کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی سانکی
نہایت صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا
کراہت یا تو اسلئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے
تو بیع عینہ کے مثل ہو جائیگا۔ کہ حیلہ کرکے زیادہ
لیا۔ اور یا اسلئے ہے کہ لوگ اوسکی خوگر ہو جائینگے
تو پھرنا جائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگینگے اھ
اور فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل
فرمائی۔ پھر فرمایا۔ کہ اسی طرح محیط میں
ذکر کیا۔ پھر فرمایا۔ بعض کہتے ہیں اس
لئے مکروہ ہوا۔ کہ اونہوں نے ایک حیلہ
کیا۔ وہی تقریر جو وجہ اوّل میں گذری۔
اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر
کرکے بالآخر وجہ اوّل میں حصر کر دیا جہاں
کہ فرمایا کراہت صرف اسی وجہ سے ہے۔ کہ اونہوں
نے اس زیادتی سے دبا کے دفع کا حیلہ کیا انتہیٰ

Marfat.com

وعليه اقتصر فى الكفاية قال انما
كره لانه احتيال لسقوط الربا
ليأخذ الزيادة بالحيلة فيكره
كبيع العينة فانه مكروه لهذا اه
وانت تعلم ان فى الوجه الثانى
ترك ما لا بأس به حذرا مما به
بأس فهو مقام الورع وترك الورع
لا يوجب كراهة تحريم وقد قال
يفضى الى ان يألفوه فيستعملوه
فيما لا يجوز فافاد ان هذا استعمال
فيما يجوز وانما كره خشية التجاوز
الى ما لا يجوز وأما الوجه الاول
فابين واظهر فان الاحتيال لسقوط
الربا فرار عنه وهو غير ممنوع
بل الممنوع الوقوع فيه وقد علم
علماؤنا رحمهم الله تعالى عدة
حيل لتحصيل الفضل من دون
حصول الربا وقد عقد لها الامام
فقيه النفس قاضى خان فى فتاواه
فصلا مستقلا فقال فصل
فيما يكون فرارا عن الربا - وقال
فيه رجل له على رجل
عشرة دراهم فاراد ان يجعلها

اور اسی پر کفایہ میں اقتصار فرمایا - کہ وہ صرف اس
لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنیکا حیلہ ہے - تاکہ
حیلہ سے زیادت حاصل کرے - تو مکروہ ہوگا جیسے
بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے - انتہی -
اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو صرف اتنا ہے
کہ خرابی کے ڈر سے اوس چیز کو چھوڑے جسمیں
خرابی نہیں - تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے
میں کراہت تحریمی نہیں آتی - اور خود فرمایا کہ وہ اس
طرف لیجائیگی کہ اوس کے عادی ہو جائیں - تو ناجائز
جگہ بھی اوسے برتنے لگیں - تو صاف بتادیا - کہ یہ
کارروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس
خوف سے ہوئی - کہ بڑھکر ناجائز تک نہ پہنچ جائیں
رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح و روشن ہے کہ
ربا ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے
اور وہ منع نہیں - بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے -
اور بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالے نے اس کے
متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں - کہ زیادہ لیں - اور سود
نہ ہو - اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے تو اپنے
فتاوے میں اسکے لئے ایک مستقل فصل وضع کی فرمایا
کہ یہ فصل ہے اون باتوں کے بیان میں جو سود سے گریز
ہیں - اور اوس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص
کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے
اوس نے یہ چاہا کہ میں دس کے

ثلثة عشر الى اجل قالوا يشترى
من المديون شيئا بتلك العشرة
و يقبض المبيع ثم يبيع من المديون
بثلثة عشر الى سنة فيقع التحرز
عن الحرام ومثل هذا مروى عن
رسول الله صلى الله تعالى عليه و
سلم انه امر بذلك اه ومثله
فى البحر عن الخلاصة عن النوازل
للامام الفقيه ابى الليث رحمه الله
تعالى۔ ثم قال فى الخانية
رجل طلب من رجل دراهم
ليقرضه بده دوازده فيضع
المستقرض متاعا بين يدى المقرض
بعت منك هذا المتاع بمائة درهم
فيشترى المقرض و يدفع اليه الدراهم
و يأخذ المتاع ثم يقول المستقرض
بعنى هذا المتاع بمائة وعشرين
فيبيعه ليحصل للمستقرض
مائة درهم و يعود اليه متاعه
ويجب للمقرض عليه مائة وعشرون
درهما والاوثق والاحوط ان يقول
المستقرض للمقرض بعد ما قرر
المعاملة كل مقالة وشرط كان بيننا

(ف) حیلہ اخری

تیرہ کریوں ایک میعاد تک۔ علماء نے فرمایا کہ
وہ مدیون سے اون دس کے عوض کوئی چیز خرید
لے۔ اور اوس پر قبضہ کر لے۔ پھر وہی چیز اوس
مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو
بیچ ڈالے۔ تو حرام سے بچ جائے گا۔ اور اس کا مثل
نبی صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہوا
کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔ انتہی۔ اور
اسی طرح بحر الرائق نے بحوالہ خلاصہ نوازل امام
فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالے علیہ سے مروی
ہے۔ دوسرا حیلہ یہ فرمایا۔ کہ ایک شخص
نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے
اس طور پر کہ دینے والے کو دس کے بارہ
ملیں۔ تو یوں چاہیئے۔ کہ قرض لینے والا دینے والے
کے سامنے کوئی متاع رکھے اور اوس سے کہے میں نے یہ
متاع تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی۔ قرض دینے والا خرید
لے۔ اور روپے اوسے دیدے اور متاع پر قبضہ کر لے
پھر قرض لینے والا اوس سے کہے یہ متاع میرے ہاتھ
ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال۔ وہ بیع کر دے۔ تاکہ
قرض لینے والے کو سو روپے ملجائیں۔ اور اوسکی متاع بھی اوسکے
پاس واپس آئے۔ اور قرض دینے والے کے اوسپر ایک سو بیس لازم آئیں
اور زیادہ اطمینان و احتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض لینے والا
قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی قرارداد کر کے یوں کہدے
کہ جو کچھ گفتگو اور شرط ہمارے آپس میں ٹھیری تھی

(ف) دوسرا طریقہ

Marfat.com

فقد تركته ثم يعقدان بيع المتاع له ثم قال فان كان المتاع للمقرض وليس للمستقرض شئ ويريد ان يقرضه عشرة بثلثة عشر الى اجل فان المقرض يبيع من المستقرض سلعة بثلثة عشر ويسلم السلعة الى المستقرض ثم ان المستقرض يبيع السلعة من اجنبي بعشرة ويدفع السلعة الى الاجنبي ثم الاجنبي يبيع السلعة من المقرض بعشرة ويأخذ العشرة منه ويدفعها الى المستقرض فيبرؤ الاجنبي من الثمن الذي كان عليه للمستقرض وتصل السلعة الى المقرض بعشرة وللمقرض على المستقرض ثلثة عشر الى اجل اه

ثم قال وحيلة اخرى ان يبيع المقرض من المستقرض سلعة بثلثة عشر الى اجل معلوم ويدفع السلعة الى المستقرض ثم يبيعها المستقرض من الاجنبي ثم ان المستقرض يقبل البيع مع الاجنبي قبل القبض او بعده ثم يبيعها

وہ میں نے چھوڑی پھر متاع کی خرید و فروخت کریں تھی

تیسرا حیلہ یہ فرمایا۔ کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں۔ اور دینے والا چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے۔ اور کسی میعاد پر تیرہ روپے اوس سے وصول کرے۔ تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو بیچے اور متاع اوس کے قبضہ میں دیدے۔ پھر قرض لینے والا اوس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس روپے کو بیچے۔ اور وہ متاع اوس اجنبی کو دیدے۔ وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس روپے کو بیچ ڈالے۔ اور وہ اجنبی اوس سے دس روپے لیکر قرض لینے والے کو دیدے۔ تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا دین تھا۔ وہ اتر جائیگا۔ اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی اور قرض لینے والے پر اوس کے تیرہ روپے ایک وعدہ پر لازم ہو جائیں گے۔ انتہی ٭

چوتھا حیلہ یہ فرمایا۔ کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے۔ اور اوس کے قبضہ میں دیدے۔ اور قرض لینے والا اوسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے۔ پھر قرض لینے والا اوس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرلے خواہ متاع اوس کے قبضہ میں دی ہو۔ یا نہ دی ہو۔ پھر

Marfat.com

المستقرض من المقرض بعشرة و
يأخذ العشرة فيحصل للمستقرض
عشرة وعليه للمقرض ثلثة عشر
وتحصل السلعة الى المقرض و
المقرض ان صار مشتريا ما باع
باقل مما باع قبل نقد الثمن الا ان
ذلك جائز لتخلل البيع الثانى وهو
البيع الذى جرى بين المستقرض
والاجنبى اهـ ثم قال وحيلة اخرى
ان يبيع المقرض من المستقرض
سلعة بثمن مؤجل ويدفع السلعة
الى المستقرض ثم ان المستقرض
يبيعها من غيره باقل مما اشترى
ثم ذلك الغير يبيعها من المقرض
بما اشترى لتصل السلعة اليه
بعينها ويأخذ الثمن ويدفعه الى
المستقرض فيصل المستقرض الى
القرض ويحصل الربح للمقرض اهـ

اقول هذه هى الحيلة الثالثة
المارة قال وهذه الحيلة هى
العينة التى ذكرها محمد رحمه
الله تعالى وقال مشائخ بلخ
بيع العينة فى زماننا خير من

قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اوسی دس کو بیچے
تو قرض لینے والے کو دس روپے ملینگے۔ اور دینے والے
کے اوپر تیرہ[13] لازم ہینگے۔ اور متاع دینے والے کے پاس
پہنچ جائیگی۔ قرض دینے والے نے اس صورت میں
اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جسقدر
کو بیچی تھی۔ اوس سے کم کو خرید لی۔ مگر یہاں یہ
جائز ہے اسواسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی۔
وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی۔ انتہیٰ
پھر ایک اور حیلہ یہ فرمایا۔ کہ قرض دینے والا
لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع اودھار بیچے اور
متاع اوس کے قبضے میں دیدے۔ پھر قرض لینے والا
اوس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اتنے سے کم کو بیچے
جتنے کو خریدی۔ پھر وہ دوسرا شخص اوس قرض دینے
والے کے ہاتھ اوتنے کو بیچے جتنے کو خود خریدی
تاکہ وہ متاع بعینہا اوسے پہنچ جائے۔ اور اوس
سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے
تو قرض لینے والے کو قرض ملجائیگا۔ اور دینے والے
کو نفع حاصل ہوجائے گا۔ انتہیٰ

اقول - یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گذر
چکا۔ اور قاضیخاں نے فرمایا۔ کہ اسی
حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جسکو امام محمد رحمۃ
اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر فرمایا۔ اور مشائخ بلخ
نے فرمایا۔ کہ بیع عینہ اون بیعوں سے

(ف) (بطلان حیل الخبثاء)

(ف) (بطلان حیلہ بیع عینہ)

Marfat.com

البیوع التی تجری فی اسواقنا وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ قال العینۃ جائزۃ ماجورۃ وقال اجرہ لمکان الفرار من الحرام اھ

(ف) حیلۃ اخری

ثم قال رجل لہ عشرۃ دراھم صحاح فاراد ان یبیعھا باثنی عشر درھما مکسرۃ لایجوز لانہ ربا فان اراد الحیلۃ یستقرض من المشتری اثنی عشر درھما مکسرۃ ثم یقضیہ عشرۃ جیادا ثم ان المقرض یبرئہ عن درھمین فیجوز ذلک اھ

(ف) حیلۃ اخری

ثم قال ولو کان لہ علی رجل عشرۃ دراھم مکسرۃ الی اجل فلما حل الاجل جاء المدیون بتسعۃ صحاح فقال ھذہ التسعۃ بتلک العشرۃ لایجوز لانہ ربا فان اراد الحیلۃ یأخذ التسعۃ بالتسعۃ ویبرئہ عن الدرھم الباقی فان خاف المدیون ان لا یبرئہ عن الدرھم الباقی یدفع الی صاحب الدین تسعۃ دراھم صحاحا وفلسا او شیئا یسیرا عوضا عن الدرھم الباقی

کہ ہمارے بازاروں میں آجکل رائج ہیں بہتر ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اوس پر ثواب ملیگا۔ اور فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اوس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے۔ انتہی

(ف) پانچواں طریقہ

پانچواں حیلہ یہ فرمایا۔ کہ ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ روپے پھوٹے ہوؤں سے بیچے۔ تو یہ جائز نہیں کہ سود ہے۔ پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو چاہئے کہ مشتری سے بارہ روپے پھوٹے ہوئے قرض لے۔ پھر دس کھرے اوسکو ادا کر دے۔ پھر وہ اسے باقی دو روپے معاف کر دے۔ تو یہ جائز ہے۔ انتہی۔

(ف) چھٹا طریقہ

چھٹا حیلہ یہ فرمایا۔ اگر کسی شخص پر دس روپے پھوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے تھے۔ جب وعدہ کا وقت آیا۔ مدیون نو روپے کھرے لایا۔ اور کہا۔ کہ اون دس کے بدلے یہ نو ہیں۔ تو یوں جائز نہیں۔ اسلئے کہ یہ سود ہے۔ تو اگر حیلہ چاہے۔ تو نو کے بدلے نو لیلے۔ اور ایک معاف کر دے۔ پھر اگر مدیون کو اندیشہ ہو۔ کہ وہ ایک جو باقی رہا۔ یہ معاف نہ کرے گا۔ تو قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اوس باقی روپے کے عوض دے دے۔

Marfat.com

جاز ذٰلك ويقع الامن اھ وفيها
فوائد لا تخفى عليك وسنمر عليها
فيما يأتي انشاء الله تعالىٰ وكفانا
تشبيهه في الوجه الاول ببيع العينة
وقولهم فانه مكروه لهٰذا وذٰلك
لانه لا يكره الا تنزيها فكذا
هٰذا ولا يهولنك قول امام
محمد انه يجده مثل الجبل
فانه قال مثله بل اشد منه
في العينة وما ثبت لها الا كراهة
التنزية قال في رد المحتار
عن الطحطاوي عن ابي يوسف العينة
جائزة ماجور من عمل بها كذا
في مختار الفتاوى هندية وقال
محمد هٰذا البيع في قلبي كامثال
الجبال ذميم اخترعه اكلة الربا
وقال عليه الصلوٰة والسلام اذا
تبايعتم العينه واتبعتم اذناب
البقرة ذللتم وظهر عليكم عدوكم
قال في الفتح ولا كراهة فيه الا
خلاف الاولى لما فيه من الاعراض
عن مبرة القرض اھ واقره عليه
في البحر والنهر والدر والشرنبلالية

(مطلب) لا يكره بيع العينة الا تنزيها

تو اب جائز ہو جائیگا۔ اور وہ اندیشہ جاتا رہیگا انتہی اور
اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ
رہینگے۔ اور آئندہ تقریر میں انشاء اللہ تعالیٰ ہم اُنپر
گذر کرینگے۔ اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اول میں اوسکو
بیع عینہ سے تشبیہ دی۔ اور علماء نے فرمایا کہ وہ بھی اسی وجہ
سے مکروہ ہے۔ اور یہ اسلئے کہ بیع عینہ نہیں مگر
مکروہ تنزیہی۔ تو ایسے ہی یہ بھی۔ اور امام محمد
کا یہ ارشاد کہ وہ اُنکے نزدیک پہاڑ کی طرح
گراں ہے تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ اونہوں نے
ایسا ہی بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ
میں فرمایا ہے۔ اور اوس کیلئے ثابت نہ ہوئی مگر
کراہت تنزیہ۔ رد المحتار میں طحطاوی اوس میں عالمگیری
اوسمیں مختار الفتاویٰ اوسمیں امام ابو یوسف رحمہ
اللہ تعالیٰ سے ہے کہ عینہ جائز ہے۔ اسکے کرنیوالے
کو ثواب ملیگا۔ اور امام محمد نے فرمایا۔ اس بیع کی برائی
میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اور سود خواروں
نے ایجاد کیا۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو۔ اور بیلوں کی
دُم کے پیچھے چلو۔ تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن
تم پر غالب آجائیگا۔ فتح القدیر میں فرمایا عینہ میں
کوئی کراہت نہیں۔ سوا خلاف اولیٰ کے۔ اسلئے کہ اُس
میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے اوگردانی ہے انتہی۔
اور اُسے بحر الرائق اور نہر الفائق اور در مختار اور شرنبلالیہ

(ف) بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے

Marfat.com

وغیرھا وقال ایضًا فی فتح القدیر قال
ابو یوسف لا یکرہ ھذا البیع لانہ
فعلہ کثیرٌ من الصحابۃ رضی اللہ
تعالیٰ عنھم وحمدوا علیٰ ذٰلک و
لم یعدّوہ من الربا اھ

اقول قول ابی یوسف رح
فعلہ کثیر من الصحابۃ
رضی اللہ تعالیٰ عنھم مرسل
اصولی فانہ عندنا ما لم
یتصل سندہ مطلقًا و
الفرق بین انواعہ وتسمیتھا مرسلا
ومنقطعًا ومقطوعًا ومعضلا مجرد
اصطلاح من المحدثین لافادۃ ما
یقع فیہ من الصور امّا الحکم فمتحد
عندنا وھو القبول اذا کان من ثقۃ
کما حققناہ فی کتابنا منیر العین
فی حکم تقبیل الابھامین ونص علیہ
فی مسلم الثبوت وغیرہ و ایّ ثقۃ
اوثق تریدون ممّن ابی یوسف فاذا
صح عن کثیر من الصحابۃ رضی اللہ
تعالیٰ عنھم فعلہ ومدحہ لا یعدل
عنہ کان مذھب امامنا رضی اللہ
تعالیٰ عنہ تقلیدھم رضی اللہ تعالیٰ عنھم

(مطلب) الفرق بین انواع المرسل والمنقطع والمقطوع والمعضل

(مطلب) بعض مرسلات بحکم اصول محدثین صحیح

وغیرہ نے برقرار رکھا۔ نیز فتح القدیر میں ہے۔ امام
ابو یوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ
بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے
کیا۔ اور اوس کی تعریف کی۔ اور اوسے سود
نہ ٹھیرایا۔ انتہٰی ؛

اقول۔ امام ابو یوسف کا فرمانا کہ اسے
بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
نے کیا۔ اصولِ فقہ کی اصطلاح پر
حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک
مرسل ہر اوس حدیث کو کہتے ہیں جس کی
سند متصل نہ ہو۔ اور اوسکی اقسام میں فرق کرنا اور انکو
جدا جدا نام مرسل و منقطع و مقطوع و معضل رکھنا یہ
محدثین کی ایک نئی اصطلاح ہے جس سے یہ تنا
مقصود ہے کہ اوسمیں کتنی صورتیں ہوتی ہیں۔ مگر حکم
وہ ہمارے نزدیک ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی
حدیث مرسل لائے۔ تو مقبول ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنی
کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اوس کی
تحقیق بیان کی۔ اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اوسکی تصریح
فرمائی۔ اور امام ابو یوسف سے بڑھکر کونسا ثقہ
درکار ہے؟ تو جب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ
عنہم سے اوسکا کرنا اور اوسکی تعریف ثابت ہوئی۔ تو
اوس سے عدول نہ ہوگا۔ اسلئے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید ہے

Marfat.com

و قد أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم باقتدائهم ۔

اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اُن کی پیروی کا حکم دیا۔

امّا الحديث اذا تابعتم بالعينة رواه احمد و ابو داود والبزار و ابو يعلى و البيهقي عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال ابن حجر سنده ضعيف و له عند احمد اسناد اخر امثل من هذا اه و في سنده ابو عبد الرحمن الخراساني اسحٰق بن اسيد الانصاري قال ابن ابي حاتم ليس بالمشهور و قال ابو حاتم لا يشتغل به و قال الذهبي جائز الحديث ثم اعاده في الكنى فعد الحديث من مناكيره و قال في التقريب فيه ضعف اه و بالجملة لا ينزل عن درجة الحسن و قد رمز الامام السيوطي في الجامع الصغير لحسنه و جاء من طرق كثيرة عقد لها البيهقي بابا في سننه و بيّن عللها ۔

رہی وہ حدیث کہ جب تم بطبر عینہ خرید و فروخت کروگے۔ اسے امام احمد و ابوداؤد و بزار و ابویعلی و بیہقی نے نافع سے اونہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ امام ابن حجر نے فرمایا اسکی سند ضعیف ہے۔ اور امام احمد کے یہاں اسکی ایک سند اور ہے جو اس سے بہتر تو نہیں۔ اور ابو داؤد کی ابو عبدالرحمن خراسانی اسحٰق بن اسید انصاری ہیں۔ ابن ابی حاتم نے کہا۔ وہ کچھ ایسے مشہور نہیں۔ اور ابو حاتم نے کہا۔ اون سے کام نہ رکھا جائے اور ذہبی نے کہا۔ وہ جائز الحدیث ہیں۔ پھر کنیتوں میں اونہیں دوبارہ ذکر کیا۔ اور اس حدیث کو اُن کی احادیث منکرہ سے گنا۔ اور تقریب میں فرمایا کہ اون میں ضعف ہے۔ انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں۔ اور بیشک امام سیوطی نے جامع الصغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جنکی لئے بیہقی نے اپنی سُنن میں ایک فصل خاص وضع کی۔ اور اونکی علتیں بیان کیں و

اقول کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو حُجت ٹھیرایا ہے تو اس صورت

قلت وظاهر كلام الفتح ان محمدا احتج بهذا الحديث فاذن

هو صحیح ولا شک لان المجتهد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا له کما افاده المحقق حیث اطلق فی التحریر وغیره فی غیره وعلی کل فلیس فی الحدیث ما یدل علی منعه الا تری الی قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم معه واخذتم اذناب البقر ای حرثتم وزرعتم کما فسره به فی الفتح قال لانهم حینئذ یترکون الجهاد وتالف النفس الجبن اه بل هو فی نفس روایة ابی داود بلفظ اخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجهاد الحدیث الخ ومعلوم ان الزرع غیر منهی بل هو افضل وجوه الکسب بعد الجهاد عند الجمهور وقیل التجارة ثم الزراعة ثم الصناعة کما فی وجیز الکردری لاجرم لما احتج فی العنایة بالحدیث علی ذمه قال العلامة سعدی افندی اقول لو صح ذلک تکون الزراعة مذمومة ایضا اه ولم یقل الکراهة فی الهدایة

تو وہ ضرور صحیح ہے۔ اسلئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے۔ تو وہ اس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور اونکے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا۔ بہرحال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں۔ کیا اوس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے۔ کہ جب تم بیلوں کی دمیں پکڑو۔ یعنی کھیتی کرو۔ زراعت میں پڑو۔ جیسا کہ اسکی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی۔ فرمایا۔ اس لئے کہ وہ اسوقت جہاد چھوڑ دینگے۔ اور طبیعت نامردی کی عادی ہوجائیگی۔ انتہی۔ بلکہ وہ نفس روایت ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے۔ کہ جب تم بیلوں کی دمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑجاؤ۔ اور جہاد چھوڑ دو۔ آخر حدیث تک سا اور معلوم ہے۔ کہ کھیتی منع نہیں۔ بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت پھر زراعت پھر حرفت۔ جیسا کہ وجیز کردری میں ہے ولہٰذا جیکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے۔ علامہ سعدی آفندی نے فرمایا۔ کہ میں کہتا ہوں۔ اگر یہ دلیل صحیح ہوجائے۔ تو زراعت بھی مذموم ہوجائے گی۔ انتہی۔ اور ہدایہ

Marfat.com

والتبيين والدر وغيرها الا بالاعراض عن مبرة الاقراض زاد في الهداية مطاوعة لمذموم البخل وانت تعلم ان الاعراض عن المبرة لا توجب كراهة تحريم ولذا قال في الفتح لا بأس في هذا فان الاجل يقابله قسط من الثمن والقرض غير واجب عليه دائما بل هو مندوب اه وقال في العناية الاعراض عن الاقراض ليس بمكروه والبخل الحاصل من طلب الربح في التجارات كذلك والا لكانت المرابحة مكروهة اه

اقول بل ليست التجارة الا ان تبغوا فضلا من ربكم والمماكسة في المبايعة مستونة وقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم المغبون لا محمود ولا مأجور رواه اصحاب السنن عن الحسين بن علي والطبراني في الكبير عن الحسن بن علي والخطيب عن سيدنا علي كرم الله تعالى وجوههم الكرام فغاية ما فيه كراهة التنزيه

وتبیین و درمختار وغیرہا میں اس کراہت کی صرف اتنی دلیل بتائی۔ کہ اس میں قرض دینے کے نیک سلوک سے منہ گردانی ہے۔ ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کرکے۔ اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی موجب نہیں۔ لہٰذا فتح القدیر میں فرمایا اسمیں کچھ حرج نہیں۔ کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ ہولیا۔ اور آدمی پر واجب نہیں۔ کہ ہمیشہ قرض دیا کرے۔ بلکہ وہ ایک نیک بات ہے۔ انتہی۔ اور عنایہ میں فرمایا۔ قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں۔ اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں اپنا نفع چاہے۔ وہ بھی ایسا ہی ہے۔ ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہی

اقول۔ بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرے۔ اور خرید و فروخت میں کشمکش کرنا سنت ہے۔ اور بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ غبن کھانے میں نہ ثواب نہ ثواب۔ یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجوہہم الکرام سے روایت کی۔ تو اس میں نہایت درجہ کراہتِ تنزیہ ہے۔

Marfat.com

و الا فقد صح۔ ان الصحابة فعلوه وحمدوه و فی حاشیة الفاضل عبد الحلیم معاصر العلامة الشرنبلالی رحمهما الله تعالی علی الدرر و المروی عن ابی یوسف انه قال العینة جائزة مأجورة لمکان الفرار فیها عن الحرام والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب ولانه فعله کثیر من الصحابة وحمدوا ذلك اھ وظاهر سیاقه ان جملة والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب من کلام الامام ابی یوسف رحمه الله تعالی والله تعالی اعلم هذا احد الدلائل علیه

(ف) الدلیل الثانی

والثانی تصریحهم قاطبة ان القدر والجنس اذا عدم احدهما حل الفضل و معلوم قطعا ان الدینار و الدرهم او الدینار والفلس لا یتجانسان فیجب الحل فمن این تأتی الکراهة التحریم و تحقیقه ان للتفاضل اربع صور الاول ان یکون الاکثر مالیة هو الاکثر قدرا والثانی

(ف) التفاضل القدر اربع صور والکل حل فی جنسین

ورنہ بصحت ثابت ہو لیا۔ کہ صحابۂ کرام نے اوسے کیا۔ اور تعریف فرمائی۔ اور علامہ عبد الحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالیٰ حاشیۂ درر میں لکھتے ہیں۔ امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے۔ کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے۔ اسلئے کہ اوس حرام سے بھاگنا ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اسلئے کہ بکثرت صحابہ نے اوسے کیا۔ اور اوسکی تعریف فرمائی۔ انتہی۔ اور اون کی روش عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے۔ کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے

(ف) دلیل دوم

دلیل دوم۔ تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو۔ تو زیادتی حلال ہے۔ اور یقیناً معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا۔ تو کراہت تحریمی کدھر سے آئے گی۔ اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی چار صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ جس کی مالیت زیادہ ہو۔ اوسی کی مقدار زیادہ ہو۔ اور دوسری

(ف) مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں اور تختلف جنسوں میں چاروں حلال ہیں

ان یکون اقل ولکن المالیۃ بعد زائدۃ بل اضعاف مضاعفۃ کالجنیۃ مع الرتبۃ والثالث ان یکون اقل الی حد تنقص مالیتہ ایضا من البدل والرابع ان یقل الی ان یتساوی المالیتان وھم قاطبۃ قالوا عند اختلاف الجنس حل التفاضل ولم یقیدوہ بشیء من الصور اصلا فیعمھا جمیعا ولو کانت ثم کراھۃ تحریم لم تحل الا صورۃ واحدۃ من الاربع وھی الرابعۃ ثم ھنا وجہ اٰخر ان یکون جنسان متحدی المالیۃ عند اتحاد القدر وھم قد حکموا بحل التفاضل وھو یستلزم التفاضل فی المالیۃ فوجب حلہ

والثالث قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم فمن ذا الذی یعدہ معصیۃ ومکروھا تحریما مع اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیہ

والرابع ما قدمنا انفا عن الخانیہ انہ یدا بید فلسا عوضا

یہ کہ اوسکی مقدار تو کم ہو۔ مگر مالیت اب بھی زیادہ ہو۔ بلکہ کئی گنا بڑھکر جیسے روپے کیساتھ اشرفی تیسری یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو۔ کہ اوسکی مالیت بھی اوس کے مقابل سے گھٹ جائے۔ اور چوتھے یہ کہ اوسکی مقدار اس حد تک کم ہو۔ کہ دونوں مالیت میں برابر ہو جائیں۔ اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو۔ تو کمی بیشی جائز ہے۔ اور اوسمیں کسی خاص صورت کیساتھ مقید نہ کیا۔ تو چاروں صورتوں کو شامل ہوگا۔ اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چار صورتوں میں صرف ایک حلال ہوتی۔ اور وہ چوتھی صورت ہے۔ پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیز میں جب مقدار میں برابر ہوں تو اونکی مالیت بھی یکساں ہے اور علماء نے کمی بیشی حلال ہونیکا حکم فرمایا۔ اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے۔ تو اوسکا حلال ہونا واجب ہوا

دلیل سوم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جب جنس مختلف ہو۔ تو جیسے چاہو بیچو۔ تو وہ کون ہے جو اسے گناہ اور مکروہ تحریمی بتائے گا۔ حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوس کی اجازت فرما چکے +

دلیل چہارم وہ جو ابھی ہم قنیہ سے قاضی خاں سے بیان کر آئے کہ روپے

Marfat.com

عن الدّراهم فيجوز ذلك ويقع الامن
واي امن بعد حصول العصيّة -

والخامس ليس التّفاضل
بين درهم ودينارٍ او فلس
ودينارٍ مثلا الا بالماليّة
فان كان ذلك موجبا لكراهة
التّحريم لانّه حصل لاحد العاقدين
اكثر واربح ممّا حصل للآخر
فاربى هذا عليه يجب ان يّكون
مساواة الجيّد والردى وزنا مكروها
تحريما اذا ادّى الجيد على الرّدى
بما لا يتغابن فيه النّاس كأن
تكون ماليّته ضعف ماليّته و
اضعافها كان موجبها المذكور
حاصلا ههنا ايضا قطعا والشئ
لا يتخلف عن موجبه مع انّ
المساواة هو المامور به شرعا
وكذلك ما زاد بالصّياغة حتّى
صارت قيمته اضعاف قيمة ما
يساويه وزنا من التّبر او الدّراهم
يكون التّساوي فيه موجب لما
ارجبتم به كراهة التّحريم مع انّه
هو الواجب شرعا فاذن يكون الشّرع

کے بدلے ایک پیسہ دیدے تو یہ جائز ہوگا۔ اور
امان حاصل ہوگی۔ اور گناہ ہونے کے بعد کونسی امان ہے

دلیل پنجم مثلاً اشرفی اور روپے یا پیسہ
اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی
تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس
بنا پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک
نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے
تو اوس کو اسپر زیادتی رہی۔ تو واجب ہوگا کہ
کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ
تحریمی ہو جبکہ کھرے کی قیمت سے اتنی زیادہ ہو
جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن دکھائیں
جیسے اسکی مالیت اوسکی مالیت سے دونی یا
کئی گنا ہو۔ اسلیئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب
یہاں بھی یقیناً حاصل ہے۔ اور حکم اپنے موجب سے
پیچھے نہیں ہٹتا۔ حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں
برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے۔
اور ایسے ہی وہ جو صناعی کے سبب بڑھ
جائے۔ یہاں تک کہ اوس کی قیمت اوس
کے ہموزن پتر یا روپوں سے کئی گنا ہو جائے
تو اوس میں وزن کی برابری اوس
کراہت تحریم کی موجب ہوگی۔ جو تم
نے قرار دی ہے۔ حالانکہ وہی شرعاً واجب
ہے۔ تو اوس وقت یہ ہوگا۔ کہ شرع نے

Marfat.com

قد اوجب ما هو معصية فان المكروه تحريما منهي عنه وارتكاب اثم ومعصية وان كانت صغيرة كما نص عليه في البحر والدر وغيرهما وبالاعتياد يصير كبيرة ولا شك ان الشرع متعال عن ان يأمر بمعصية و يوجب ارتكاب اثم بخلاف المكروه تنزيها فانه من المباح وليس من المعصية قطعا وربما يتعمده الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام بيانا للجواز وقد زلت قدم ذلك اللكنوي في رسالته في الدخان فجعل المكروه تنزيها من المعاصي والاصرار عليه من الكبائر وهذه مزلة فاحشة بينت عوارها في رسالة مستقلة سميتها جمل مجلية ان المكروه تنزيها ليس بمعصية والاعتذار بان الشرع اهدر اعتبار المالية عند اتحاد الجنس لا يجدي نفعا فان ذلك اول الكلام ان لو كان كذلك في المالية موجب المعصية في نظر الشرع فلم اهدر اعتبارها مع ما فيه من ابطال مقصد لفسه

وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے۔ اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے۔ جیسا کہ بحر الرائق و درمختار وغیرہما نے تصریح کی۔ اور عادت ڈالے کبیرہ ہو جائیگا اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند و بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے۔ اور گناہ کرنا واجب کرے۔ بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے۔ اور معصیت میں سے یقیناً نہیں۔ کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسے قصداً کرتے ہیں کہ اوسکا جائز ہونا ظاہر ہو جائے۔ اور انہی لکھنوی کا فقہ کے رسالہ میں قدم پھسلا۔ تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اوس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرا دیا۔ اور یہ فاحش غلطی ہے۔ کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا۔ اور اوس رسالے کا نام

جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ رکھا اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت کا اعتبار ساقط فرما دیا ہے کچھ نفع نہ دیگا۔ اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے۔ کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی۔ تو کیوں اسکا اعتبار ساقط فرما دیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا

Marfat.com

اعنی الشرع وهو صیانة اموال الناس وانما الاموال بالمالیة وفیه ایصال اکلة الربا الی قصدهم الفاسد فان غرضهم انما یتعلق بالمالیة فاذا اربوا فیها فقد فازوا بمرادهم ولا نظر لهم الی زیادة الوزن وقلته فتبین ان الارباء فی المالیة لا نظر الیه للشرع ولا یمکن ان یوجب کراهة تحریم اصلا وهو المقصود

(ف) الدلیل السادس

والسادس طفحت المتون قاطبة بجواز بیع فلس بفلسین وقال فی البحر لیس مرادهم خصوص بیع الفلس بالفلسین بل بیان حل التفاضل حتی لو باع فلسا بمائة علی التعیین جاز عندهما ای عند الشیخین رضی الله تعالی عنهما وای نص ترید انص من هذا علی حل التفاضل بالمالیة والحمد لله. نعم الحل قد یجامع کراهة التنزیه کما نصوا علیه

(مطلب) جواز بیع فلس بمائة علی التعیین

(ف) الدلیل السابع

والسابع العینة المذکورة فانما مبناها علی التفاضل فی المالیة ولا تتقید بنحو عشرة

مقصود کیا ہے لوگوں کا مال بچانا۔ اور مال کی حقیقت تو مالیت ہی ہے۔ اور اسمیں سود خواروں کو ان کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا۔ کہ اون کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے۔ جب اونہوں نے مالیت زیادہ پالی۔ تو وہ اپنی مراد کو پہنچے۔ اور وزن کی کمی بیشی کی طرف اونکی نظر نہیں۔ تو ظاہر ہو گیا۔ کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی۔ تو ممکن نہیں۔ کہ اصلاً کراہت تحریم واجب کرے۔ اور یہی مقصود ہے +

(ف) دلیل ششم

دلیل ششم تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسہ کو بیچنا جائز ہے اور بحر الرائق میں فرمایا کہ اونکی مراد خاص یہی نہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے۔ یہاں تک کہ ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے۔ تو امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہما کے نزدیک حلال ہے۔

(ف) ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا حلال ہے جبکہ دونوں طرف سے پیسے معین ہوں

اور اس سے بڑھکر تو اسپر اور کونسا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمد للہ ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہ کیساتھ جمع ہو جاتا ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی

(ف) دلیل ہفتم

دلیل ہفتم عینہ مذکورہ کہ اوسکی بنا ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے۔ اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے

Marfat.com

باثنی عشر او ثلثة عشر کما فی الخانیہ
او خمسة عشر کما فی الفتح بل
صوّرت بصورة الضعف ایضاً
قال فی الفتح من صور العینة ان
یبیع متاعه بالفین من المستقرض
الی اجل ثم یبعث متوسطاً یشتریه
لنفسه بالف حالة ویقبضه ثم
یبیعه من البائع الاول ثم یحیل
المتوسط بائعه علی البائع الاول بالثمن
الذی علیه وهو الف حالة فیدفعها
الی المستقرض ویاخذ منه الفین
عند الحلول اھ اذ جاز ضعف جازت
الاضعاف **اقول** ولا یلزم التوسط
بل له ان یبیعه من المستقرض بالفین
فیبیعه المستقرض فی السوق بالف
کیلا تعود العین الی المقرض فیکون
مکروھا تحریما فی بحث المحقق وانکان
فیه للکلام مجال فان شراء ما باع
باقل منه باع جائز عند توسط ثالث
بالاجماع ولم یذکروا فیه تاثیما
وقد تقدم عن فقیه النفس
فی حیل الفرار عن الحرام وانی
تتم الحیلة مع بقاء المعصیة لاجرم

بارہ یا تیرہ کریں جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے
یا پندرہ جیسا کہ فتح القدیر میں۔ بلکہ دونا دون کی
صورت بھی اسمیں بیان کی گئی ہے۔ فتح القدیر میں
فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی متاع
قرض لینے کے ہاتھ ایک وعدہ پر دو ہزار کو بیچے
پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے
ہزار روپے نقد کو خرید کر قبضہ کرلے یہ درمیانی شخص
پہلے شخص سے اور سے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانی
اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اتار
دے۔ اور وہ ہزار روپے نقد ہیں۔ تو یہ پہلا بائع ہزار
روپے قرض لینے والے کو دیدے اور وعدہ پر دو
ہزار اوس سے لے۔ انتہٰی۔ اور جب دونا جائز ہوا
تو کئی گنا بھی جائز ہے **اقول** اس درمیانی شخص کا
ہونا ضرور نہیں۔ بلکہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ قرض لینے
والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں
ہزار کو بیچ لے۔ تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف
عود نہ کرے سکہ عود کرنیکی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ
تحریمی ہوجائیگی۔ اگرچہ اسمیں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی
چیز جتنے کو بیچی ہے اوس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے
جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اسمیں کوئی گناہ
تحریر نہیں فرمایا۔ اور امام فقیہ النفس قاضی خاں سے حرام
اوپر گذر چکا جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے
بیان فرمائے ہیں، اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہوا

Marfat.com

قال العلامة عبد الحليم فی حواشی الدرر الظاهر کراهة تنزیه سواء کان فی صورة کل المدفوع او بعضه الی الدافع اولا تدبر ۔

(ف) الدلیل الثامن

والثامن شرط والجواز شراء الوصی مال الیتیم لنفسه او بیعه مال نفسه له الخیریة للیتیم وجعلوها فی العقار بالضعف وفی غیرها بمثل ونصف کما فی الخانیة و الهندیة وشرط والجواز بیعه مال الیتیم من اجنبی ان لم تکن للصغیر حاجة الی ثمنه ولا علی المیت دین لا وفاء له الا به ان یبیعه بضعف القیمه قال فی الهندیة عن محیط السرخسی وعلیه الفتوی فهذا تفاضل فی المالیة مأمور به من جهت الشرع

(ف) الدلیل التاسع

والتاسع ما تقدم عن الفتح وغیره من المعتمدات من قوله لو باع کاغدة بالف یجوز ولا یکره

(ف) الدلیل العاشر

والعاشر فی باب الربا من رد المحتار عن الذخیرة

علامہ عبد الحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے۔ چاہے جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کر آئے یا اوسکا حصہ یا کچھ نہیں۔ تدبر ۔

(ف) دلیل ہشتم

دلیل ہشتم وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اوسکے ہاتھ بیچنا چاہے۔ تو اوسکے جواز کیلئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کا نفع ہو۔ اور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دوچند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی جیسا کہ فتاوی قاضی خاں اور فتاوی عالمگیری میں ہے۔ اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا چاہے اور نابالغ کو اوسکی قیمت کی ضرورت نہ ہو۔ اور نہ مورث پر کوئی دین ہو۔ کہ بغیر اوسکے بیچے پورا نہ ہو۔ تو اس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط لگائی۔ کہ دونی قیمت پر بیچے۔ ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیا۔ کہ اسی پر فتوی ہے۔ تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے

(ف) دلیل نہم

دلیل نہم وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گذرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا۔ تو جائز ہے۔ اور مکروہ نہیں ۔

(ف) دلیل دہم

دلیل دہم۔ رد المحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے۔

اذا دفع الحنطة الى خبّاز جملة
واخذ الخبز مفرقا ينبغي ان يبيع
صاحب الحنطة خاتما او سكّينا
من الخبّاز بالف منّ من الخُبز
مثلا الخ واين يقع سكّين من
الف منّ من الخُبز ونظائر هذا
لو سردناها لم نستطع احصاءها
وانّما تنزلنا بعد السّادس الى هنا
لانّ كلامهم في المضموم مع الاقلّ
مطلق من ان يكون من الاثمان او
الاعيان ومن الاموال الوادية او
من غيرها فهذا غاية تحقيق المسئلة

آما كلام الشيخ عبد الحليم

فاقول اوّلا ليس

الوجوب للاحتياط وجوب
الشيء في نفسه ولا شك
ان ترك ما لا بأس به
حذرا ممّا به بأس
من قبيل الاحتياط في
الدين ولا يحصل ذلك الّا بما ذكر
فكان من واجباته اذ الواجب
للشيء هو الذي لا تحصل له
الّا به ٭

جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دیدیئے اور روٹی
تھوڑی تھوڑی کرکے لی۔ تو یوں چاہئے گیہوں
والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلاً
ہزار من روٹی کو بیچے الخ اور بھلا کہاں
چاقو اور کہاں ہزار من روٹی - اور اس کے
نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں - تو ہم اون
کا احاطہ نہ کرسکیں گے - اور دلیل ششم
کے بعد جو ہم یہاں تک اوتر آئے
اوس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ
جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملادی جائے
وہ اونکے کلام میں مطلق ہے۔ خواہ ثمن ہو یا متاع
اور اموال ربا سے یا نہیں۔ تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے

رہا فاضل عبد الحلیم رومی کا کلام

اقول اوّلا

کسی شے کا وجوب اوس کی
نفسہ وجوب نہیں اور شک نہیں
کہ خرابی کھڑے سے جس چیز میں خرابی
نہیں - اوسے چھوڑنا دین
میں احتیاط کے قبیل سے ہے
اور یہ اوسی طور پر حاصل ہوگا - جو اونہوں نے
ذکر کیا - تو احتیاط کے واجبات سے ہوا -
کہ کسی شئے کے لئے واجب وہی ہے جس
کے بغیر شئے حاصل نہ ہو ٭

Marfat.com

وثانیاً ربما یطلق الواجب
عرفا علی المندوب ومنه قول
الدرد لا باس به ای بالتکبیر
عقب العید لان المسلمین
توارثوه فوجب اتباعهم اه
و نظر له الشامی فی موضع
اخر بقولهم حقاً واجب علی
و فی کتاب ادب القاضی من الفتح
نحت قوله و یشهد ای القاضی
الجنازة و یعود المریض ذکر حدیث
البخاری فی الادب المفرد عن ابی
ایوب الانصاری رضی الله تعالیٰ عنه
قال سمعت رسول الله
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
یقول ان للمسلم علی اخیه
ست خصال واجبة ان
ترک شیئاً منها فقد ترک حقاً
واجباً علیه لاخیه یسلم علیه
اذا لقیه ویجیبه اذا دعاه و
یشمته اذا عطس ویعوده اذا
مرض و یحضره اذا مات وینصحه
اذا استنصحه ثم قال ولا بد
من حمل الوجوب فیه علی الاعم

ثانیاً اکثر عُرف میں مستحب کو واجب کہتے
ہیں۔ اور اسی میں سے ہے در مختار کا یہ قول
کہ نمازِ عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج
نہیں اسلیئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے
چلا آتا ہے۔ تو ان کی پیروی واجب ہوئی
اور شامی نے دوسری جگہ اوسکی ایک نظیر یہ
بیان کی۔ کہ عُرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر
واجب ہے۔ اور فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی
میں اس قولِ ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر
ہو۔ اور بیمار کے پوچھنے کو جائے۔ ادب المفرد
بخاری کی یہ حدیث ابو ایوب انصاری رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے ذکر کی۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا مسلمان
کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں
اگر ان میں سے کوئی چیز ترک کرے
تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑ دیا
جو اوس کے لئے اوپر واجب تھا۔ ملاقات
کے وقت اوسے سلام کرے۔ اور وہ دعوت
کرے۔ تو قبول کرے۔ یا وہ پکارے۔ تو
جواب دے۔ اور جب اوسے چھینک آئے
(اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو یہ اوسے یرحمک اللہ کہو
بیمار پڑے۔ تو اوسی پوچھ جائے۔ اور اوسکی موت میں حاضر ہو اور اگر
اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے۔ پھر محقق نے فرمایا کہ اس
حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں۔ جو وجوب کے

Marfat.com

من الوجوب فی اصطلاح الفقه الحادث فانّ ظاهره وجوب الابتداء بالسّلام وکون الوجوب وجوب عین فی الجنازة فالمراد به امر ثابت علیه اعمّ من ان یکون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اھ ولابدّ من الحمل علیه لما اقمنا من الادلّة وان ابیت الا حمله علیٰ ظاهره فهذا فهم من الشّیخ عبد الحلیم لم یستند فیه لنقل وفهمه غیر حجّة فی الشّرع لا سیما عند قیام البراهین علیٰ خلافه

(ف) الجواب الثالث

وثالثًا ان لم یحمل علیٰ ما قلنا یکون کلامه قد ناقض نفسه لانّه ذکر بعد هٰذا بورقة واقعة تحدّث فی الدّولة العثمانیّة من تبدیل الدّراهم العتیقة المغشوشة الغالبة فیها الفضّة بدراهم جدیدة جیّدة ویمنع بظهورها التّعامل بالعتیقة ومن رداء العتیقة انّ الدرهم الکبیر الرّومی وهو مسمّیٰ

واقعة تحدث فی الدولة العثمانیة حرسها الله تعالیٰ وبیان الحکم فیها

اوس معنے سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو۔ اسلئے کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتدا بسلام واجب ہو۔ اور نماز جنازہ فرض عین ہو۔ تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں۔ خواہ مستحب ہوں۔ یا واجب فقہی انتہیٰ۔ اور عبارت عبد الحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب اون دلیلوں کے جو ہم قائم کر چکے۔ اور اگر تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے۔ تو یہ شیخ عبد الحلیم کی اپنی ایک سمجھ ہے۔ جس پر اونہوں نے کوئی نقلی سند پیش نہ کی۔ اور اونکی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصًا جبکہ اوس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں

(ف) تیسرا جواب

ثالثًا۔ اگر اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو اونکا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا اسلئے کہ اونہوں نے اس کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی غالب ہوتی ہے اونہیں نئے کھرے روپے سے بدلتے ہیں۔ اور ان نئوں کے چلن کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع کر دیا جاتا ہے اور پرانوں کا گھٹیا پن یہانتک ہے کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے

(ف) ایک واقعہ کا ذکر کہ سلطنت عثمانیہ میں واقع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سلطنت کی حفاظت فرمائے اور اوس واقعہ کے حکم کا بیان۔

Marfat.com

بالقرش يكون بمائة وعشرين درهما
منها والدينار بمائتين واربعين
فاذا ظهرت الجديدة ينزل القرش
الى ثمانين من الجديدة والدينار
الى مائة وعشرين فيقع بين الناس
نزاع كثير في ديونهم الواقعة في
زمن العتيقة قال فافتى اسلافنا
من سادا تنا علماء قسطنطينية
المحمية بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة
دين مائة وعشرين درهما يعطى
المديون الدائن ثمانين درهما
جديدا او قرشا واحدا وبمقابلة
مائتين واربعين دينارا اوقرشين
الى ان جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم
اسعد بن سعد الدين فافتى بان
يعطى قيمة العتيقة في زمن العقد
من الدينار مثلا لكل مائتين و
اربعين درهما يعطى دينار ولم يجوز
اعطاء ه درهما جيدا ولا قرشا
وصرح بان في المثلث السابق
حقيقة الربا او شبهته ثم قال
يقول العبد ان ما افتى به اولا
صحيح ايضا مع ان فيه عسر او

قرش کہتے ہیں۔ اُن پرانوں کے ایک سو بیس[۱۲۰] کے
برابر ہوتا ہے۔ اور اشرفی دو سو چالیس کے برابر
جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان
نیوں سے اسّی روپے رہجاتی ہے اور اشرفی ایک سو
بیس کی۔ تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپوں کے
زمانے میں ہوا تھا اوسمیں بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے۔ تو علمائے
محروسہ قسطنطنیہ سے ہمارے اگلے سرداروں نے یہ
فتوٰی دیا کہ تہائی دین لوٹا دیں۔ تو ایک سو بیس[۱۲۰]
پرانے روپے کی جگہ دیون دائن کو نئے اسی
روپے یا ایک قرش دے۔ اور دو سو چالیس
پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی یا دو قرش
یہاں تک کہ ہمارے استاذ مرحوم اسعد
بن سعد الدین کے افتاء کا وقت آیا۔ تو
اونہوں نے یہ فتوٰے دیا۔ کہ زمانۂ عقد میں
پرانے روپوں کی جو قیمت تھی۔ اوتنی قیمت
کی اشرفیاں دی جائیں۔ مثلاً ہر دو سو
چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی
دے۔ اور یہ جائز نہ رکھا۔ کہ اوسکے
یا روپیہ یا قرش دے۔ اور تصریح فرمائی
کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود ہے
یا اوس کا شبہ۔ پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا۔ کہ
وہ جو پہلوں نے فتوٰے دیا۔ وہ بھی صحیح ہے۔
اور لوس کے ساتھ اوس میں آسانی ہے اور

توسيع دائرة لاداء الدين اما
صحته فان الدراهم العتيقة لما
كانت رائجة كما يروج القرش
والدينار من غير فرق بينهن تقلد
ان دين المديون استقر فى ذمته
على هذا التفصيل وصرف الدين
الى ما قدر به فى الاداء من كل
نوع اى نوع كان من العتيقة والقرش
والدينار كما صرح الفقهاء بهذا
فى صورة استواء رواج الاحادى
والثنائى والثلاثى فاذا منع تعاطى
العتيقة وظهر الجديدة رخص
القرش والدينار بالتنزيل الى ما
سبق ذكره نزل الدين كذلك و
فيه توسيع دائرة ويسر تام اذ
يؤدى المديون من اى نوع قدر
بخلاف ما افتى به ثانيا اذ قد
لا يكون للمديون دينار وقد لا
يجد وقد يكون الدين او الباقى
غير بالغ الى قيمة الدينار فيعسر
الاداء مع ان الاثمان الرائجة فى
زمن العقد سوى العتيقة باقية
على رواجها وليس فيها كساد ولا منع

ادائے دین کے دائرہ میں وسعت۔ اوس کی
صحت تو اِس سبب سے ہے۔ کہ پرانے روپوں
کا جب بعینہ ایسا ہی چلن تھا جیسے اشرفی
اور قرش کا۔ تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین
اسی تفصیل سے ٹھہرا۔ اور دین کا حاصل اِس
طرف پھریگا۔ کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے
کسی نوع میں سے ہو۔ پرانے روپے
ہوں۔ یا قرش۔ یا اشرفی۔ جیسا کہ فقہاء
علیہ الرحمۃ نے اس کی تشریح فرمائی ہے جبکہ
مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو۔ تو جب
پرانوں کا چلن بند کر دیا گیا۔ اور نئے چلنے
لگے۔ اور قرش اور اشرفی کا پھاؤ اوس مقدار
پر کہ اوپر مذکور ہوئی ساوتر گیا۔ دین بھی اُتنا
ہی اُتر جائے گا۔ اور اس میں دائرہ کی وسعت
اور پوری آسانی ہے اس لئے کہ دیون
جس نوع پر قدرت پائے گا۔ اوس میں سے
ادا کرے گا۔ بخلاف دوسرے فتوے کے
اُس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں
ہوتی۔ اور نہ اوسے ملتی ہے۔ اور کبھی
کل دین یا باقی اتنا نہیں ہوتا کہ اشرفی کی
مقدار کو پہنچے۔ تو ادا دشوار ہوگی۔ حالانکہ
جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپوں
کے سوا بدستور رائج ہیں اُنکا نہ چلن گھٹا نہ منع کیا گیا

سوی الترخیص بالنسبة الی الجیدة
فمن این التکلیف للمدیون باداء
الدین بالتیسار فقط فظهر ان ما
افتیٰ به اوّلا صحیح علیٰ وجه الیسر
لاعسر فیه نعم لو سلم وجدان
الربا اما حقیقة او حکما فی الاداء
بالجدیدة او بالقرش بان لا مساواة
بینهما وزنا او لا یعلم فانه یدفع
بضم نحو فلس الی الجدیدة او
القرش کما لا یخفی اه ملخصا
والمسئلة مذکورة فی الدر
وغیره والمختار العلائی ما افتی به
سعدی افندی وهو الالزام
بالذهب ومال ابن عابدین الی
نحو ما مال الیه عبد الحلیم
وحاصله اولا مع ان اللازم علی
ذمة المدیون عین العتیقة حتی
یکون الاداء بالجدیدة او القرش
مع عدم مساواتها للعتیقة وزنا
ربا بل اللازم تلک المالیة المتعددة
بای الثلثة شاء فاذا کسد منها
واحد جاز الاداء عن احد الباقیین
قلت ویظهر ان تعبیرهم بتنزیل ثلث

سوا اس کے کہ نئے روپوں سے اونکا بھاؤ سستا
ہوگیا۔ تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ
خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے۔ تو ظاہر
ہوا کہ وہ جو پہلا فتوے تھا صحیح اور آسان ہے
اوسمیں کچھ دشواری نہیں۔ ہاں اگر یہ مان لیا جائے
کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً
ربا ہے۔ یا حکماً یوں کہ دونوں کا وزن برابر
نہیں۔ یا برابری کا علم نہیں۔ تو وہ یوں دفع
ہوجائیگا۔ کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً
ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں انتہیٰ
ملخصاً۔ اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے۔
اور صاحب درمختار نے اوسی کو اختیار کیا جو سعدی
آفندی کا فتوے ہے۔ کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا
کرنا واجب ہے۔ اور علامہ شامی نے اوس طرف
میل کیا۔ جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے گئی۔
اور اوسکا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے
کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا
واجب تھے۔ تاکہ نئے پرانے یا قرش سے ادا کرنا
جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہیں ربا
ٹھیرے۔ بلکہ اوتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ
اُن تینوں سکوں میں سے جس سے چاہے کرلے تو جب اُن میں سے
ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے چاہے ادا کردے
اقول یہیں سے ظاہر ہوا کہ اونکا یہ فرمانا کہ تہائی

Marfat.com

الدّين مسامحة نظرا الى ظاهر التغيّر
فى عدد الدّراهم حيث يُعطى من
الجديدة ثمانين مكان مائة و
عشرين والا فلا تنزيل فى الماليّة
اصلًا وثانيًا ان سلم لزوم العتيقة
عينًا فيدفع بضم نحو فلس الى الجديدة
او القرش وقد افتى هو به النّاس
وجعله يُسرا تامّا من دُون عُسر
واى يُسر بعد حصول كراهة التّحريم
فاذن لا محيد عمّا ذكرنا وبالله
التّوفيق وبالجملة ما كانت امثال
هٰذه الشّبهات التّذكر وتسطر
لولا ما فى جوابها من فوائد تظهر وتزهر

(ف) الرد الخامس على اللكنوى

اقول وبه تبيّن والحمد
لله انّ ليس فيه اعنى فى بيع
دينار بدرهم بل فلس فضلا
عن بيع نوط عشرة باثنى
عشر شبهة ربا ايضا فضلا
خلافا لما زعم اللّكنوى اذ الشّبهة
فى المحرمات ملحقة باليقين كما
نصّ عليه فى الهداية وغيرها
فلو كانت لوجبت الحُرمة فضلًا
عن كراهة التّحريم وقد قامت الادلّة

دَین اوتار دیا جائے مسامحہ ہے روپوں کی گنتی
میں جو ظاہرا تغیر ہوا۔ اوسپر نظر فرماکر ایسا کہا کہ
ایک سو بیس کی جگہ نئے آسی دیگا۔ ورنہ
مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ
اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے
تو سود یوں دفع ہو جائیگا۔ کہ نئے روپوں یا
قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دے۔ اور
فاضل عبد الحلیم نے لوگونکو اس کا فتوٰی دیا۔ اور انکو
پوری آسانی بلا دشواری بتایا۔ اور کراہت تحریم
ہونے کے بعد کونسی آسانی ہے۔ تو وہ معنے جو ہم نے ذکر
کئے اونسے مضر نہیں اور توفیق اللہ ہی کیطرف سے ہے۔ بالجملہ
ایسی شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں اور لکھے جائیں اگر یہ
نہ ہوتا کہ اون کے جوابوں سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے

(ف) مولوی لکھنوی پر پانچواں رد

اقول۔ الحمد للہ! اس تقریر سے
روشن ہو گیا۔ کہ دس کا نوٹ بارہ
کو بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک
روپے بلکہ ایک پیسے کو بیچنے میں
ربا تو رہا اوس کا شبہہ بھی نہیں۔
برخلاف اوس کے جو لکھنوی نے زعم
کیا۔ اس لئے کہ حرام چیزوں میں شبہ بھی
حکم یقین میں ہے۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں
منصوص ہے۔ تو اگر یہاں شبہ ہوتا۔ تو حرمت
واجب ہوتی۔ چہ جائے کراہت تحریم اور دلائل قائم ہو چکے

ان لا كراهة تحريم ههنا فضلا عن الحرمة فظهر ان لا ربا ولا شبهة هذا وانما جل ما يتشبث به هذا المانع ان النوط[1] مغرق في الربابي

کہ یہاں کراہت تحریم بھی نہیں چہ جائے حرمت۔ تو ظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے۔ نہ سود کا شبہ۔ یہ تو لیجئے اور آگے سنیے ان منع کرنیوالے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ[1] روپوں میں غرق ہے

---

[1] بل زعم ذاك اللكنوي ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما يريد بيع مائة ربية واخذ بدلها لا بدل النوط

(ف۱) الرد السادس على اللكنوي

اقول[1] اولا لو كان الامر كما زعمت لما صح بيع النوط بالربابي اصلا لانه اذن بيع مائة درهم افرنجي بمائة درهم افرنجي وهي لا تتفاوت فيما بينهما بشيء فكان الاستبدال عبثا والشرع لا يشرع العبث في الاشباه العقود تعتمد صحتها الفائدة فما لم يفد لم يصح فلا يصح بيع درهم بدرهم اذا تساويا وزنا وصفتا كما في الذخيرة اه

(ف۲) الرد السابع عليه

وثانيا[2] قم يوما عن اريكتك واذهب الى البياعين فاذا رأيت زيدا باع نوطا من عمرو فاسئله هل قلت له بعتك مائة ربية فسيقول لا وانما قلت بعتك هذا النوط فاسئله هل اردت ان تستبدل مائة ربية لك بمائة ربية لعمرو فسيقول لا وانما اردت استبدال نوطي بربابيه فاسئله هل اخذت ثمن ربابيك فسيقول لا بل ثمن نوطي فاسئله هل تنقد له مائة ربية

بقیہ بر صفحہ ۱۰۲

[1] بلکہ ان مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اوس سے قیمت ملنا اوس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپیہ بیچنا اور اسکی قیمت لینا ہوتا ہے

(ف۱) مولوی لکھنوی پر چھپا رد

اقول[1] اولا اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلا جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو روپے انگریزی سو روپے انگریزی کو بیچنا ہوا۔ اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے۔ تو یہ سو روپے دیکر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہو۔ اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی۔ اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اوس سے کچھ فائدہ بھی ہو۔ جو محض بیفائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں۔ تو ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن اور حالت میں برابر ہوں۔ جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ انتہی

(ف۲) ان پر ستواں رد

ثانیا[2] مولوی صاحب! ذرا اپنی مسند سے اوٹھکر کسی دن بازار کو جائیے۔ جب دیکھیے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا۔ تو اوس سے پوچھیے۔ کیا تو نے اوس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے۔ وہ ابھی ابھی جواب دیگا کہ نہ۔ بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا۔ اب اوس سے پوچھیے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپوں سے بدلے۔ وہ ابھی جواب دیگا کہ نہ۔ بلکہ اپنا نوٹ اوس کے روپوں سے بدلنا چاہا اب اوس سے پوچھیے۔ تو نے اپنے روپوں کی قیمت لی۔ وہ ابھی جواب دیگا کہ نہ۔ بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اوس سے پوچھیے کیا تو

بقیہ بر صفحہ ۱۰۲

Marfat.com

كانه هي من دون الفرق ولذا
لا يفرقون بينهما في الاخذ و
الاعطاء في المعاملات فاذن كانها
عشر دراهم بيعت بانتي عشرة دراهم

گویا کہ وہ بعینہ روپیہ ہے۔ اور کچھ فرق نہیں۔ اسی
واسطے لوگ معاملات میں روپے اور نوٹ
کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ تو گویا
وہ یوں ہوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) من كيسك فسيقول
لا۔ بل اعطيه نوطي فعند ذلك يتميز
لك النهار من الليل ؛

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) اپنی تھیلی میں سے تو روپے اوسے
دیگا۔ وہ ابھی جواب دیگا۔ کہ نہ۔ بلکہ اوسے اپنا نوٹ دونگا۔ اوقت
آپکو معلوم ہوجائیگا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے ؛

ثالثاً ليتك تعرف المبيع من
المعدوم فان البائع ربما لا تكون
عنده الرباي بل ولا ربيه واحدة
و بيع المعدوم باطل وقد نهى
عنه النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

ثالثاً کاش آپ کو مبیع اور معدوم کا فرق معلوم
ہوتا۔ اسلئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے
نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک دو پیسہ تک نہیں ہوتا۔ تو اگر
اوسے سو روپیہ بیچنا مقصود ہوتی تو معدوم کی بیع کر رہا ہے
اور معدوم کی بیع باطل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع
فرمایا ہے ؛

رابعاً من احتاج الى النوط
ليرسله في البوسطة فان ارساله
فيها عسر و اقل مصروفا فباعه
زيد نوطه ثم اراد ان يعطيه
مائة ربية لا يقبله المشتري ويقول
انما اشتريت منك النوط وقد كانت
الرباي عندي فما كان يحوجني الى شرائها
منك وعند ذلك تعرف ان نسبة
ذلك القصد اليهم فرية عليهم

رابعاً جسے ڈاک میں بھیجنے کیلئے نوٹ درکار
ہو۔ کہ ڈاک میں نوٹ بھیجنا روپے بھیجنے سے آسان
بھی ہے۔ اور خرچ بھی کم ہے اوس کے ہاتھ جیکہ زید
نوٹ بیچے۔ اور پھر نوٹ نہ دے۔ بلکہ اوسکی جگہ سے
روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لیگا۔ اور اوس سے کہیگا
کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا۔ روپے تو خود میرے پاس
موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت
تھی۔ اوسوقت آپ کو معلوم ہوجائیگا۔ کہ نوٹ بیچنے میں انکا
یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں اوپر افترا ہے ؛

وخامساً بائع النوط اذا قبض
الدراهم الثمن و اراد ردها
يعد هذا عندهم اقالة البيع لا
تسليما للمبدل وهذا كله ناظر
جلي على من يعرف الشمال من اليمين

وخامساً۔ نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے
روپے لیکر نوٹ نہ دے۔ بلکہ روپے ہی پھیر دے
تو یہ اونکے نزدیک بیع کا فسخ ٹھیرتا ہے نہ یہ کہ
اوس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے
اور یہ سب باتیں ہر اوس شخص پر روشن ہیں جسے داہنے بائیں میں تمیز ہے

(بقیہ بر صفحہ ۱۰۱)

(بقیہ بر صفحہ ۱۰۱)

Marfat.com

وهو ربا قطعا فهذا ان لم يكن ربا فبشبهه يلتحق به ويحرم

(مطلب) فی ازالۃ وہم ہیجل بضاعۃ اللکنوی فی المسئلۃ

اقول وباللہ التوفیق هذا اردء واخنع ولا غرّ واذا القوس فی ید غیر باریها قد علم کل من ترعرع عن الصبا ولو قلیلا ان الاثمان الاصطلاحیۃ انما تقدر بالحقیقیۃ

اور وہ بلاشک ربا ہے۔ تو یہ اگر سود نہ ہو۔ تو اوسکی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہو کر حرام ہو جائیگا

(ف) اس وہم کا ازالہ جو اس مسئلہ میں مولوی لکھنوی کی بڑی پونجی ہے

اقول وباللہ التوفیق۔ یہ شبہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے۔ مگر کوئی تعجب نہیں۔ کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے۔ ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص۱۰۲) فسبحٰن اللہ من مبیع لم یعقد علیہ ولا قصد الیہ ولا نقد منہ بل ان نقد لم یقبل ولم یعد نقد المبدل بل ربما لا یکون عند من باع فهل سمعت بمثلہ مبیعا فی الدنیا ولا عقد ونقد ولا قصد ولا وجد ولکن قلۃ الفهم والتدبر یاتی بعجائب نسئال اللہ العفو والعافیۃ

(ف) الرد الحادی عشر علیہ

وبہ علم بطلان ما قصد بہ التفرقۃ بین الفلوس والنوط بان من اشتری شیئا بربیۃ او استقرض ربیۃ و اراد ان یعطی بدلها فلوس ربیۃ فالدائن والبائع بالخیار فی قبولها و لا یجبرہ علیہ القاضی بخلاف النوط

(ف) الرد الثانی عشر علیہ

ومن این لہ ادعاء هذا ومن قال بہ وسیاتیک تحقیق الامر بعد اسطر و باللہ التوفیق اھ منہ

(بقیہ حاشیہ ص۱۰۲) تو سبحان اللہ! وہ سو روپے جو بیچنے ٹھیرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ انپر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہوا۔ نہ اونکے لینے دینے کا ارادہ ہوا۔ نہ بائع نے وہ دیئے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں۔ اور مبیع کا دینا نہ ٹھیرے۔ بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں۔ تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود۔ مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی و عافیت مانگتے ہیں

(ف) اونپر گیارہواں رد

اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر وہ ایک روپے کے عوض کوئی چیز خریدے۔ یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے۔ اور بوقت ادا پیسے ایک روپے کے دے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ لے یا نہ لے۔ اور حاکم کی طرف سے اوسپر جبر نہیں ہو سکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے۔ اور یہ ادعا انہوں نے کہاں سے نکالا اور کون اسکا قائل ہے۔ اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر کی جو حق ہے اوسکا بیان آتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ

(ف) اونپر بارہواں رد

Marfat.com

(مطلب) الفرق بالاشتراط عشر علیہ وبیان الاختلاف بالاختلاف اذا استوت وجاز الاول من غیر اختلاف وجنس او قدر

بل النقود تعلها لها تقدير
بالدراهم دنانير كانت او غيرها
ولا بد لها من نسبة الى الربابى
فجنيتة بخمسة عشر و قطعة
صغيرة بثمن دبية و اخرى
بالربع واخرى بالنصف وستة
عشر انة بدبية والنوط الفلانى
بعشرة والفلانى بمائة و
هكذا واذا استوت واجب
ومالية فاهل العرف لا
يفرقون بينها فى الاخذ والاعطاء
فى معاملاتهم فمن شرى ثوبا
بجنيتة افرنجى واذى خمس عشرة
دبية او بالعكس لا يعد هذا
تبديلا ولا تحويلا ولا ينكره
البائع ولا غيره وكذا القطعة
الصغيرة وثمانية فلوسا
افرنجيا لا يفرقون بينهما فى
اخذ ولا اعطاء وكذا ربع
الدبية وستة عشر فلسا و
من اشترى شيئا بنصف دبية
فاما ان يؤدى النصف بعينه
او دبعى دبية او اربعة اثمانه

(ف) الفرق بين الاشتراط وعدمه فى الجواز وعدمه

بلکہ تمام نقدوں کیلئے روپوں سے اندازہ ہے
خواہ اشرفیاں ہوں۔ یا اور کچھ اور انہیں کچھ
نہ کچھ روپوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک
ساورن پندرہ روپے کی۔ اور دوانی روپے
کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی۔ اور
اٹھنی آدھا۔ اور ایک روپے کے سولہ
آنے۔ اور فلاں نوٹ دس روپے
کا۔ فلاں سو کا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور
جب ان کا چلن اور الیت یکساں ہو
تو اہل عرف معاملات میں اون کے
لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ تو جو
کوئی گیٹرا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے
اور دے پندرہ روپے۔ یا اوس کا ایک
عکس۔ تو نہ اوسے کوئی تبدیل کہیگا۔ نہ
قرارداد کا پھیرنا۔ اور نہ اس سے بائع
انکار کریگا نہ کوئی اور۔ اور یوں ہی
دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی۔
ان کے لین دین میں بھی کوئی
فرق نہیں کرتا۔ یوں ہی چونی
اور سولہ پیسے۔ اور جس نے کوئی
چیز اٹھنی کو خریدی۔ وہ یا تو خود
اٹھنی دے۔ یا دو چونیاں۔
یا چار دوانیاں .....

(ف) اگر نقد جنس ادھار کا بیان کہ مختلف نقد جنس ہو تو ادھار کی بیع جائز ہے بشرطیکہ ایک جانب سے ہو اور ایک جنس ہو اور ایک قدر ہو اور

او ربعاً وثمنين او ربعا وثمنا وثمانية
فلوس او ثلثة اثمان وثمانية فلوس
او ربعا وستة عشر فلسا او ثمنا و
اربعة وعشرين فلسا او الكل بالفلوس
اثنين وثلثين فلسا الصور[له] التسع
جميعا سواء عندهم ولا يفرقون
بينها اصلاً لاستوائها جميعا فى
المالية والرواج - وليس هذا فى
العرف فقط بل الشرع ايضا خير
المشترى ان يؤدى ايتها شاء ولو
امتنع البائع من قبول بعضها واراد
الزام المشترى باحد الوجوه كان
تعنتا منه ولم يقبل - قال ابن
عابدين تحت قول المتن ينصرف
مطلقه اى مطلق الثمن الى غالب
نقد البلد وان اختلف النقود
مالية فسد العقد مع الاستواء
فى رواجها ما نصه امّا اذا اختلفت
رواجا مع اختلاف مالیتها او
بدونه فيصح وينصرف الى الاروج

یا ایک چونی اور دو دو دوانیاں - یا ایک چونی اور ایک
دونی اور آٹھ پیسے - یا تین دوانیاں اور آٹھ پیسے
یا ایک چونی اور سولہ پیسے - یا ایک دونی اور
چوبیس[۲۴] پیسے - یا سب کے بتیس پیسے -
یہ نو کی نو[له] صورتیں سب اون کے نزدیک
برابر ہیں - اور اُن میں اصلاً فرق نہیں کرتے
اسلیئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہے
اور یہ کچھ عُرف ہی میں نہیں ہے - بلکہ
شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا ہے - کہ
ان میں سے جس صُورت پر چاہے - ادا کرے
اور اگر بیچنے والا اُن میں سے کسی صورت کو نہ
مانے اور کوئی دوسری صُورت مشتری پر لازم
کرنا چاہے - تو یہ اوسکی طرف سے بیجا ہٹ ہوگی -
اور مانی نہ جائیگی - تنویر الابصار میں جو فرمایا - کہ مطلق
ثمن شہر کے اوس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا
چلن زیادہ ہو - اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف
ہوں - اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائیگا - اس
کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا - لیکن اگر چلن ایک
سا نہ ہو - مالیت خواہ مختلف ہو - یا نہیں - تو عقد
صحیح رہیگا - اور جس کا چلن زیادہ ہے - وہ مراد ٹھہریگا

له والآن اذا قد راج نقد جديد يساوى
اثنة صحاح او نصف بيه بستة وثلثين
وجها والكل سواء كما لا يخفى اه منه

له اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی جسے اکنی کہتے
ہیں - تو اٹھنی کے دام چھتیس[۳۶] طرح ادا ہو سکتے ہیں -
اور سب برابر ہیں - جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۱۲ منہ

Marfat.com

وكذا يصح لو استوت ماليّة و
رواجا لكن يخير المشترى بين ان
يؤدى ايّهما شاء ومثل فى الهداية
مسئلة الاستواء فى الماليّة والرّواج
بالثّنائى والثّلاثى واعترض الشّراح
بان ماليّة الثلاثة اكثر من الاثنين
وآجاب فى البحر بان المراد بالثنائى
ما تطهتان منه بدرهم قلتُ وحاصله
انه اذا اشترى بدرهم فله دفع
درهم كامل او درهم مكسر قطعتين
او ثلثة حيث تساوى الكلّ فى المالية
والرّواج ومثله فى زماننا الذّهب
يكون كاملا ونصفين واربعة ارباع
وكلها سواء فى المالية والرّواج و
منه يعلم حكم ما تعورف فى زماننا
من الشّراء بالقروش فانّ القرش فى
الاصل قطعة مضروبة من الفضّة
تقوم باربعين قطعة من القطع
المصرية المسمّاة فى مصر نصفا
ثمّ انّ انواع العملة المضروبة تقوم
بالقروش فمنها ما يساوى عشرة
قروش ومنها اقلّ ومنها اكثر
فاذا اشترى بمائة قرش فالعادة

یوں ہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں
جب بھی عقد صحیح رہیگا۔ مگر اس صورت میں خریدار
کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا
کرے۔ اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے
کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی۔ اور شارحوں نے
اوسپر اعتراض کیا۔ کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے
اور بحر الرائق میں جواب دیا۔ کہ ثنائی سے وہ مراد ہے
جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں۔ اور ثلاثی
وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں میں کہتا
ہوں اسکا حاصل یہ ہے کہ جب اوس نے کوئی چیز
ایک روپے کو خریدی۔ تو چاہے ایک روپیہ پورا دے
چاہے دو اٹھنیاں۔ چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت
اور رواج میں برابر ہیں۔ اسیطرح اشرفی ہمارے زمانے
میں پوری اور دو نصف اور چار پاولی ہوتی ہے
اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں۔ اور اسی سے
معلوم ہوگیا۔ قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے
زمانے میں شائع ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا
سکہ ہے۔ جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری
ہوتی ہے۔ جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں
پھر ہر قسم کے سکے سب کی قیمت قرشوں
سے لگائی جاتی ہے۔ تو ان میں کوئی دس قرش
کا۔ کوئی کم کا۔ کوئی زیادہ کا۔ تو جب کوئی
چیز سو قرش کو خریدی۔ تو عادت یہ ہے

Marfat.com

انه يدفع ما اراد اما من القروش
او مما يساويها من بقية انواع
العملة من ريال او ذهب ولا يفهم
احد ان الشراء وقع بنفس القطعة
المسماة قرشا بل هي او ما يساويها
من انواع العملة المتساوية في الرواج
المختلفة في المالية ولا يرد ان
صورة الاختلاف في المالية مع
التساوي في الرواج هي صورة الفساد
لانه هنا لم يحصل اختلاف مالية
الثمن حيث قدر بالقروش وانما
يحصل الاختلاف اذا لم يقدر بها
كما لو اشترى بمائة ذهب وكان
الذهب انواعا كلها رائجة مع اختلاف
مالية فقد صار التقدير بالقروش
في حكم ما اذا استوت في المالية
والرواج وقد مر ان المشتري
يخير في دفع ايهما شاء. قال في
البحر فلو طلب البائع احدهما
للمشتري دفع غيره لان امتناع
البائع من قبول ما دفعه المشتري
ولا فضل تعنت اه وهذا كله
واضح جلي واي تسويه وعدم

کہ وہ جو چاہے دے۔ خواہ قرش ہی دے۔ یا
اور سکے جو مالیت میں اوسکے برابر ہوں۔ ریال
یا گنی۔ اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری
خاص اوس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا
نام قرش ہے۔ بلکہ قرش یا اور سکّوں سے جو
مالیت میں مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں
اوتنا کہ اوسکے مالیت کے برابر ہو جائیں۔ اور
یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف
ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد کی
صورت ہے اسلیئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں
اختلاف نہ پڑا۔ جب کہ اوس کا اندازہ قرشوں
سے کیا گیا۔ ہاں اختلاف جب ہوتا کہ اُن سے
اندازہ نہ کرتے۔ جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے
اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں چلن میں سب
ایک سی اور مالیت میں مختلف۔ اور جب قرشوں
سے اندازہ کر لیا یہ ایسا ہو گیا گویا مالیت اور چلن
سب برابر ہیں۔ اور اوپر گذر چکا۔ کہ مشتری کو
اختیار ہوگا۔ کہ اون میں سے جو چاہے دے۔
بحر الرائق میں فرمایا۔ اگر بائع اون میں سے ایک سکّہ
طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے
اسلیئے کہ جو مشتری دے رہا ہے اُسکے لینے سے بائع کا انکار
بیجا ہٹ ہوگا جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں انتہیٰ اور یہ سب ظاہر
و روشن باتیں ہیں۔ اور اس سے بڑھکر اور کیا برابر جاننا

Marfat.com

تفرقة اعظم من ان يفترى المشترى
بالقروش ثم يخير ان يؤدى منها
او من الريال او من الذهب الكامل
او من التفاريق وان لم يقبل البائع
كان متعنتا ومع هذا لا يتوهم
عاقل ان القروش والريال والجنية
والتفاريق كلها صارت جنسا واحدا
لا يحل فيها التفاضل او ان بعضها
مغرق فى بعض كانه هو من دون
فرق فالتفاضل ان لم يكن ربا
فشبهه يلحق به ويحرم مع نصهم
قاطبة اجمعين ان عند اختلاف
الجنس يحل التفاضل بل مع قول
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف
شئتم وقد قدمنا تحقيق مسئلة
دينار بدرهم وان ليس فيه ربا و
شبهة ربا بما لا مزيد عليه فاذا
كان هذا فى القروش والريال و
الجنية والتفاريق مع ان كلها اثمان
خلقية وكلها تشملها احدى علتى
الربا وهو الوزن فما ظنك بالنوط
مع الربا فى مع ان النوط ليس الا

اور فرق نہ کرنا ہے کہ خریدے تو قرشوں کو پھر
اوسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ
ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اوسکی ریزگاری
اور بائع نہ مانے تو بیجا ہٹ ٹھہرے باایں ہمہ
کوئی عاقل یہ وہم نہیں کرسکتا کہ قرش اور ریال
اور اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ایک
جنس ہیئے۔ اون میں ایک سے دوسرے
کو بیچیں۔ تو کمی بیشی جائز نہ ہو۔ یا اُن میں ایک
دُوسرے میں ایسا غرق ہے۔ کہ گویا بعینہٖ بلا فرق
دونوں ایک ہیں۔ تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو۔ تو
اوسکی مشابہت کے سبب اوسکے حکم میں ہو کر
حرام ہو جائے۔ حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح
فرما رہے ہیں کہ اختلافِ جنس کے وقت کمی
بیشی جائز ہے۔ بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب دو نوعیں
بدلیں۔ تو جیسے چاہو۔ بیچو۔ اور ہم نے اس مسئلہ کی
تحقیق ایک روپے کو ایک اشرفی بیچنے میں نہ سُود
ہے نہ سُود کا شُبہ اوپر اس طرح بیان کی جس سے
بڑھکر کوئی بیان نہیں۔ تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال
اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا۔ حالانکہ وہ سب کے سب
خلقۃً ثمن ہیں۔ اور اُن سب میں ربا کی دو علتوں
میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے۔ تو روپوں
کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے۔ حالانکہ نوٹ تو صرف

Marfat.com

ثمنا مصطلحا ولا تقديرا ماليته
الا باصطلاح الغير للازمه على
العاقدين ولا يشمله شئ من علة
الربا لا الجنس ولا القدر فالحكم
ههنا لا يتاتى الا من احد ثلثة
دفع عنهم القلم صبي ونائم ومجنون
نسئل الله العفو والعافية هذا
هو تحقيق الجواب في هذا الباب
وارجو ان لا عطر بعد عروس ٭

ولكن يا هذا ان ابيت الا ما
اتيت من ان الشرط مغرق في
الربا بي كانه هي فاتا اسئلك
ايهذا الاغراق وعدم الافتراق
صار النوط حقيقة دراهم فضة
او حكما بان اجرى الشرع في
مبادلته بالدراهم ما هو حكم
مبادلة الدراهم بالدراهم
كما قلت كانها عشر ربابي
بيعت باثنى عشرا ولا ولا على
الثالث ما هذه الشقاشق
الفارغة عن منشأ ومعنى و
على الاولين يعود الربا عليك
انت اذا بعت نوط عشرة بعشرة

ثمن اصطلاحی ہی۔ اور اوسکی مالیت کا اندازہ
ایک اصطلاح ہی جسکی پابندی بائع ومشتری پر
لازم نہیں۔ اور اوسمیں ربا کی دونوں علتوں میں
سے کوئی نہیں۔ نہ جنس نہ قدر۔ تو یہاں ناجوازی
کا حکم یہ ہی شخصوں میں سے کوئی کر سکے گا۔ جن پر سے
قلم شرع اٹھا لیا گیا ہی۔ بچہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم
اللہ تعالیٰ سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں۔ اس باب
میں یہی تحقیق جواب ہی اور امید کرتا ہوں۔ کہ
دولھا کے بعد عطر نہیں ٭

ولیکن اے شخص! اگر تو کچھ نہ مانے سوا اپنی
اوسی بات کے نوٹ روپوں میں ایسا غرق
ہی کہ گویا وہ روپے کا عین ہی۔ تو اب میں تجھ
سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہونے
کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہوگیا
یا حکماً باین معنی کہ روپوں ہی نوٹ کی بیع میں
شرع نے یہی حکم جاری فرمایا جو روپوں سے
روپوں کی بیع میں ہی۔ جیسا کہ تو نے کہا
تھا۔ کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے
گئے۔ یا حقیقۃً اور حکماً کسی طرح نہیں۔
تیسری تقدیر پر یہ کیا بے منشا و معنی
لفاظیاں ہیں۔ اور پہلی دونوں صورتوں
میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا۔ جبکہ تو
دس کا نوٹ دس کو بیچے۔

(۱۲۸) اگر نوٹ کی بیع روپوں کی بیع ہو تو روپوں کی بیع کے احکام نوٹ کی بیع میں جاری ہوں گے۔ اور اسکا یہ لازم آئے گا کہ نوٹ کی بیع میں بھی ربا الفضل کی حرمت کا حکم ہو۔ حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ کے خلاف ہے۔ اور اسکا یہ لازم آئے گا کہ نوٹ کی بیع میں بھی قبض شرط ہو۔ حالانکہ یہ بھی اجماعی مسئلہ کے خلاف ہے۔ اور اسکا یہ لازم آئے گا کہ نوٹ کی بیع میں بھی تساوی

و ذٰلك لِاَنّ حكم الدّراهم بالدّراهم
لم يكن فى الشّرع التّساوى فى المالية
لاجماع الامّة انّ الجيد و الرّدئ
هٰهنا سواء و انّما كان الحكم
التّساوى فى القدر فيجب عليك
ان تضع النّوط فى كفّة و الغضّة
من تفريق درهم او غيره فى الكفّة
الاُخرٰى فلا تبيعه الا بما ساواه
وزنًا ولا يكون ذٰلك الّا قطعة صغيرة
او قمعتين فان زِدْتَ عليه شيئًا
فقد اكلت الرّبا و احللت الرّبا
و اِن زعمتَ انّ الحكم السّارى
الى النّوط من الرّبا لاجل هٰذا
الغراق وعدم الافتراق هو
التّساوى فى المالية فهٰذا جهل
منك عظيم يساوى هَزْلًا ويتساوك
هُزْلًا فانّ التّسوية فى المالية لم يكن
حكم الرّبا بنفسها فكيف يسرى
منها الى شبهها ما ليس فيها علّا
انّ النّوط ان اتّحد مع الرّبا فى حقيقة
او حكما لا يتّحد مع الذّهب لامتناع
الاتّحاد بين نوعين متباينين فاذن
فاذن ان بيع نوط عشرة باثنى عشر

اسلئے کہ روپوں سے روپے کی بیع میں شرع کا
حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں برابر ہوں۔ تمام اُمت
کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا برابر ہے۔ بلکہ حکم
تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو۔ تو تجھ پر واجب
ہے۔ کہ ایک پلہ میں نوٹ رکھے۔ اور دوسرے
پلہ میں روپے کی ریزگاری۔ یا اور کوئی چاندی
بس اوتنے ہی کہ اسسے نیچے جتنی چاندی
وزن میں نوٹ کے برابر ہو۔ اور یہ دوانی
یا چوانی بھر سے زائد نہ ہوگی۔ اور اگر اوس پر
کچھ زیادہ لے۔ تو تو نے سُود کھایا۔ اور
سُود حلال کیا +

اور اگر تُو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے
اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو
حکم نوٹ کی طرف آیا۔ وہ یہ ہے کہ مالیت
میں برابر کرلو۔ تو یہ تیرا بڑا جہل ہے جو
ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دُبلے پن سے ٹھٹک
پٹک ہو رہا ہے۔ کہ مالیت میں برابر کرنا خود
روپوں کا حکم نہ تھا۔ تو روپوں سے اونکے مشابہ
نوٹ کیطرف وہ حکم کیونکر سرائیت کریگا جو خود اُن
میں نہیں۔ علاوہ بریں اگر نوٹ روپوں کے ساتھ
حقیقۃً یا حکمًا متحد ہو بھی جائے۔ تو سونے کے
ساتھ متحد نہ ہوگا۔ کہ دو متباین نوعوں میں اتحاد نہیں
ہو سکتیں۔ تو اس تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ

Marfat.com

جنيها لا يلزم فيه ما لزم ثمه لعدم
الاتحاد فى الجنس حقيقة ولا حكما
فحينئذ يرجع مآل فتواك الى ان
من باع نوطعشرة باثنتى عشرة ربية
فهذا حرام لانه حصل فضلا بلا
عوض وان باعه باثنى عشر جنيها
فهذا لا حرج عليه لانه لم يحصل
فضلا يعتد به فسبحٰن اللّٰهِ من
هٰذه الفتوى ما ادقّها نظراً وَ
اَحَقّها رعاية لمقصد الشرع الشريف
من تحريم الرّبا وهو صيانة اموال
النّاس ولا حول ولا قوة الا باللّٰه
العلىّ العظيم. وبالجملة كلام
هٰذا المانع لا يرجع الى اصل شرعى
ولا برهان وما هو الا كلمة هو قائلها
ما انزل اللّٰه بها من سلطٰن والحمد
للّٰه وعليه التكلان وهو المستعان

وَاَمَّا الثّانى عشر

فاقول نعم يجوز
اذا قصد البيع حقيقة
دون القرض وذٰلك
لان البيع جائز و

اشرفی کو بیچا جائے۔ تو وہ حرج لازم نہ آئیگا جو
بارہ روپے سے بیچنے میں تھا۔ کیونکہ یہاں نہ جنس حقیقۃً
ایک ہے نہ حکماً۔ تو اب تیرے فتوٰی کا انجام یہ
ٹھیرگیا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے
اسلئے کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی۔
اور اگر بارہ اشرفی کو بیچے۔ تو کوئی حرج نہیں اسلئے
کہ اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا
اعتبار کیا جائے۔ تو سبحان اللہ! اس فتوے
کا کیا کہنا۔ کس قدر اوسکی نظر دقیق ہے۔ اور ربا
کے حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصد
تھا۔ یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ
اوس نے اسکی رعایت کی ہے۔ ولا حول ولا قوۃ
اِلّا باللہ العلی العظیم۔ خلاصہ یہ کہ اس منع کرنیوالے
کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی
جانب۔ وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا
قائل ہے اللہ نے اوسپر کوئی دلیل نہ اتاری سب
خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد کی طلب ہے

جواب سوالِ دوازدہم

اقول۔ ہاں جائز ہے۔
جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ
کریں۔ نہ قرض کا۔ اس
لئے۔ کہ بیع جائز اور

Marfat.com

التفاضل جائز والتاجيل جائز
كما حققنا كل ذلك وما
التنجيم الا نوع من التاجيل نعم
ان اقرض نوطا عشرة وشرط ان
يرد المستقرض اثنتي عشرة دبية
او احدى عشرة او عشرة وقطعة
مثلا حالا او مالا منجما او غير
منجم فهذا حرام وربا قطعا لانه
قرض جر نفعا وقد قال سيدنا رسول
الله صلى الله تعالى عليه وسلم كل
قرض جر منفعة فهو ربا رواه الحارث
بن ابي اسامة عن امير المؤمنين
علي كرم الله تعالى وجهه بخلاف
ما اذا اقرض ولم يشترط شيئا
من الزيادة ولا كانت معهودة
من تعاملهما لان المعروف
كالمشروط ثم ان المستقرض
اوفاه وزاد من عند نفسه
تكرما زيادة ممتازة منحازة كيلا
تكون هبة مشاع فيما يقسم فهذا
جائز لا بأس به. بل هو من باب هل
جزاء الاحسان الا الاحسان وقد
قال صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

کمی بیشی جائز۔ اور مدت معین پر ادھار جائز۔
جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے۔ اور
قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے
ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض
لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دو آنی
اوپر دس۔ اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی
سے۔ یا بلا قسط واپس دے۔ تو یہ ضرور
حرام اور سود ہے۔ اس واسطے کہ وہ ایک قرض
ہے جس سے نفع حاصل کیا۔ اور بیشک ہمارے
سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے۔ وہ
سود ہے۔ یہ حدیث حارث بن اسامہ نے امیر
المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی
بخلاف اسکے جب قرض دیا۔ اور کچھ زیادہ شرط نہ
کیا۔ اور نہ ان کے اگلے عمل درآمد سے زیادہ
لینا معروف تھا۔ کیونکہ جو معروف ہے۔
وہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے
قرض ادا کیا۔ اور اپنی طرف سے احساناً کچھ
ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اسلئے کہ قابلِ تقسیم
شئے میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس
میں کچھ حرج نہیں۔ بلکہ اس قبیل سے ہے کہ
احسان کا بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

للوزان فی ثمن سراویل اشتراها
زن و ارجح وکذا اذا تقاضاه المقرض
فلم یکن عنده النوط او لم یرد ده
فوقع التصالح علی اثنتی عشرة ریبیة
عوضا عن النوط الذی فی ذمته و
تبضت الدراهم فی المجلس صح لا
یکون افتراقا عن دین بدین فهذا
ایضا جائز بالاتفاق ان کان
النوط الذی استقرضه مستهلکا
وعند الطرفین مطلقا وان کان
باقیا عنده اذا لم یرد العقد
علیه نعم ان کان موجودا و
اشتراه بعینه باثنی عشر او بعشرة
او بما شاء فهذا باطل لا یجوز
عندهما خلافا لابی یوسف رضی
الله تعالی عنهم لانه قد ملکه
بالاستقراض فکیف یشتری
ملک نفسه من غیره فی وجیز
الکروری اذا کان له اخر طعام
وفلوس فاشتراه من علیه
بدراهم وتفرقا قبل قبض
الدراهم بطل وهذا مما
یحفظ اه وفی ردالمحتار عن الذخیرة

جو ایک پاجامہ خریدا اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تولنے والے سے فرمایا۔ کہ تول اور زیادہ دے۔

یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا۔ اور قرضخواہ نے اوس سے تقاضا کیا۔ اوسکے پاس ویسا نوٹ نہ تھا۔ یا اُس نے نوٹ دینا نہ چاہا۔ عوض میں روپے دینے چاہے۔ دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی۔ اور اوسی جلسے میں روپے اوا کر دیئے (تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے۔ پھر اگر وہ نوٹ جو اوس نے لیا تھا۔ اوسکے پاس نہ رہا۔ جب تو بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر نوٹ اوسکے پاس موجود ہی مگر خاص اوس نوٹ کو روپوں سے نہ خریدا۔ بلکہ ذمہ پر جو قرض تھا اوسی خریدا۔ تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہی ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہی اور بعینہ اوسکو بارہ روپے یا دس یا جتنی سے چاہے خریدے تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہی اور امام ابو یوسف اسے جائز کہتے ہیں۔ باطل ہونیکی وجہ یہ ہی کہ جب اوسنے یہ نوٹ قرض لیا تھا۔ تو قرض لیتے ہی اُسکا مالک ہو گیا۔ تو خود ہی اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدیگا۔ جو چیز کہ دین میں ہی جب اسکا کسی پیمانہ یا پیسے آتی ہوں۔ مدیون ذمہ دین اس سے روپوں کو خرید لیا۔ اور روپوں پر قبضہ ہونیسے پہلے دونوں جدا ہو گئے۔ تو بیع باطل ہو گئی۔ اور یہ اُن مسائل میں سے ہی ہی۔ جن کا یاد رکھنا لازم ہے۔ انتہی اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے

Marfat.com

اشتری من المقرض الکر الذی له
علیه بمائة دینار جاز. لانه دین
علیه لا بعقد صرف ولا سلم فان
کان مستهلکا وقت الشراء فالجواز
قول الکل لانه ملکه بالاستهلاك
وعلیه مثله فی ذمته بلاخلاف
وان کان قائما فکذلك عندهما
وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لا
یجوز لانه لا یملکه سالما یستهلکه
فلم یجب مثله فی ذمته فاذا
اضاف الشراء الی الکر الذی
فی ذمته فقد اضافه الی معدوم
فلا یجوز اه وفیه عنهما استقرض
من رجل کرا وقبضه ثم اشتری
ذلك الکر بعینه من المقرض
لا یجوز علی قولهما لانه ملکه
بنفس القبض فیصیر مشتریا
ملك نفسه اما علی قول ابی یوسف
فالکر باق علی ملك المقرض فیصیر
المستقرض مشتریا ملك غیره فیصح اه
امّا الاحتیال لدفع الربا فقد
اسمعناك فیه ما یکفی ویشفی
وقد تقدم قول ابی یوسف رحمه

قرض دینے والے کا جو غلہ اسپر آتا تھا وہ اُس نے
اوس سے سو اشرفی کو خرید لیا۔ جائز ہے کہ یہ دَین
اوسپر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم سے۔ پھر اگر وہ غلہ
خریداری کیوقت خرچ ہو چکا تھا جب تو سب کے
نزدیک جواز ہے۔ اسلئے کہ وہ خرچ کر دینے سے
بالاتفاق اوسکا مالک ہو گیا۔ اور اوسکے ذمہ پر
اوتنا غلہ واجب رہا۔ اور اگر غلہ موجود ہی۔ تو امام
اعظم و امام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہی اور امام ابو یوسف
کے قول پر چاہئے کہ جائز نہ ہو۔ اسلئے کہ اونکے نزدیک
جب تک خرچ کر لے اوسکا مالک نہ ہو گا۔ تو اس غلہ
کا مثل اُسکے ذمہ پر واجب نہیں۔ اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ
جو میرے ذمہ ہی میں نے خریدا۔ تو معدوم چیز خریدی
لہذا ناجائز ہوا۔ انتہی۔ نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سی ہے
کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لیکر قبضہ کر لیا پھر
بعینہ وہی غلہ قرض دینے والے سی خریدا۔ امام اعظم اور
امام محمد کے قول پر جائز نہیں۔ کہ وہ تو قبضہ کرتے
ہی اوس غلہ کا خود مالک ہو گیا۔ تو اب اپنی ملک
دوسرے سی کیسی خرید سکتا ہی۔ ہاں امام ابو یوسف کے
قول پر وہ غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی
ہے تو یوں ہو گا کہ پرائی ملک اوس سی خریدی تو صحیح ہو گئی انتہی

رہا دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا۔ اوسمیں ہم تجھے
وہ کچھ سُنا چکے۔ جو کافی و شافی ہے
اور امام ابو یوسف رحمہ

Marfat.com

الله تعالیٰ انّ العینة جائزة ماجور من عمل بها قال واجره لمکان الفرار من الحرام اھ وتقدم قوله انّ الصحابة فعلوا ذلك وحمدوه وتقدم قول الخانیة انّ مثل هذا مروی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انه امر بذلك فمن بعد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وصحابه وفی البحر عن القنیة لا بأس بالبیوع التی یفعلها النّاس للتحرز عن الربا ثمّ رقم اخرھی مکروهة ذکر البقالی الکراهة عن محمد وعندهما لا بأس به قال الزرنجری خلاف محمّد فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثمّ دفع الدراهم لا بأس بالاتفاق اھ وکذلك حکی الاجماع الامام خواهرزاده رحمه الله تعالیٰ اذا لم یکن البیع مشروطا فی القرض فاذا ثبت عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم تعلیمه وصح عن الصحابة فعله وتمدیحه واجمع ائمتنا علی جوازه فای محل بقی للارتیاب والله الهادی الی الصواب ؞

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گذر چکا کہ عینہ جائز ہی اور اوس کا کرنیوالا ثواب پائیگا۔ فرمایا اوس میں ثواب اسوجہ سے ہی کہ حرام سے بھاگنا ہی انتہیٰ۔ اور اُنکا یہ ارشاد بھی گذرا کہ صحابۂ کرام نے اسے کیا اور اسکی تعریف فرمائی اور فتاویٰ قاضی خاں کا قول گذرا کہ اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہوا۔ کہ حضور نے اُس کا حکم دیا انتہیٰ تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے بعد اور کون ہی۔ اور بحرالرائق میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعیں جو لوگ ربا سے بچنے کیلئے کرتے ہیں اونمیں کچھ حرج نہیں۔ پھر ایک اور علم کے نام کی رمز لکھی کہ اُنہوں نے کہا مکروہ ہی۔ امام بقالی نے اونکی کراہت امام محمد سے روایت کی۔ اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک اُنمیں کچھ حرج نہیں۔ امام شمس الائمہ زرنجری نے فرمایا۔ امام محمد کا خلاف اُس صورت میں ہی جبکہ قرض دیکر پھر ایسی بیع کرے۔ اور اگر بیع کر دی پھر روپے دیئے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہیٰ اور اسیطرح امام شیخ الاسلام خواہرزادہ نے اوسکے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگائی ہو۔ تو جبکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اوسکی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اوسکا کرنا اور اوسکی تعریف ثابت۔ اور ہمارے اماموں کا اوسکے جواز پر اجماع قائم تو اب شک کی کونسی جگہ باقی رہی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے ؞

Marfat.com

اقول ثم هذا ایضا فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضه دراهم ویبیعه شیئا یسیرا بثمن کثیر فیقبله لحاجة القرض ففی هذا ان تقدم القرض قیل کره البیع لانه قرض جر نفعا وان تقدم البیع لم یکن به باس اتفاقا لانه بیع جر قرضا کما افاده الامام شمس الائمة الحلوانی وبه افتی کما فی ردّ المحتار اما ماغن فیه من مسئلة التوط فبیع خالص لا قرض فیه اصلا لا بدء ولا عودا فذا اولی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولا شقاق ؎

وان ثبتت الزیادة فی امر الحیل فهذا ربنا تبارک وتعالی قائلا لعبده ایوب علیه الصلوة والسلام خذ بیدک ضغثا فاضرب به ولا تحنث وهذا سیدنا رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم قد علم المخلص من الربا وطریق الوصول الی المرام مع التحرز عن الحرام - دوے

اقول پھر یہ بھی اوس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں - یوں کہ اوسے کچھ روپے قرض دے - اور تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اوسکے ہاتھ بیچے - تو حاجت قرض کے سبب اُسے قبول کریگا - تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے - تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا - اسلئے کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک منفعت کھینچی - اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی - تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں - اسلئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی - جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا - اور اسی پر فتوی دیا جیسا کہ ردّ المحتار میں ہے - اور وہ مسئلہ جسمیں ہم بحث کر رہے ہیں یعنی توٹ یہ تو خالص بیع ہے - اسمیں قرض اصلا نہیں نہ ابتدا میں نہ بعد کو - تو اسکا بلا اتفاق بلا خوف و بلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے ؎

اور اگر تو مسئلہ حیلہ میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک و تعالی اپنے بندہ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے - اس سے مار - اور قسم نہ توڑ - اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کہ انہوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہو جائے اور حرام سے محافظت رہے - تعلیم فرمایا

Marfat.com

الشیخان عن ابی سعید والخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتمر برنی فقال له صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من این هذا؟ قال کان عندنا تمر ردئ فبعت منه صاعین بصاع فقال اوّه عین الربا عین الربا لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتر به و ایضا لهما عنه وعن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنهما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم استعمل رجلا علیٰ خیبر فجاءه بتمر جنیب فقال اکل تمر خیبر هکذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلث فقال لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا **اقول** امّا کراهة من کره محمد فانما کان کما تقدم عن الفتح والایضاح والمحیط کے لا یألف الناس فیقعوا فی المحظور وفی زماننا قد

اسے بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی لائے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے؟ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے۔ ہم نے اسکے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع خریدا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُف خاص ربا ہے خاص ربا ہے۔ ایسا نہ کرو مگر جب انکو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہارے کو کسی اور چیز سے بیچکر اوس ثمن کے بدلے انکو خریدو۔ و نیز بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر صوبہ کرکے بھیجا۔ وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب لیکر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہیں؟ عرض کی نہیں خدا کی قسم۔ یا رسول اللہ! ہم ایسوں کا ایک صاع دو صاع کو۔ دو صاع تین صاع کو لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ کرو۔ اپنے چھوہارے روپوں سے بیچکر روپوں سے یہ چھوہارے خرید لو۔

اقول وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد انکا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدیر والیضاح والمحیط سے گذرا۔ کہ لوگ اسکے خوگیر ہو کر ناجائز بات میں نہ پڑیں۔ اور ہمارے زمانہ میں معاملہ

Marfat.com

انعكست الامور وفشا الربا فی اهل
الهند جهارا لا یستحیون منه
کانهم لا یعدونه عیبا ولا عارا
فمن نزلهم عن هذا البلاء العظیم
والکبیرة الشدیدة الی بعض هذه
الحیل الجائزة کبیع نوطعشرة باثنتی
عشرة منجما وغیر ذلك مما تقدم
عن الامام فقیه النفس فلا شك
انه ناصح للمسلمین وما الدین
الا النصح لکل مسلم وهم وان
جاهروا بالمعاصی فالاسلام باق
بعد ولله الحمد فاذا سمعوا ما
یصلون به المرام مع النجاة عن
الحرام فما لهم ان لا یتوبوا فانهم
غیر معاندین للشرع والاسلام
وقد قال مشائخ بلخ منهم محمد
بن سلمة للتجار ان العینة التی
جاءت فی الحدیث خیر من بیاعاتکم
قال المحقق حیث اطلق وهو صحیح
فلا شك ان البیع الفاسد کحکم
الغصب الحرم فاین هو من بیع العینة
الصحیح المختلف فی کراهته اه
اما زعم الزاعم انه ان لم ینه

الٹا ہوگیا۔ اور ہندوستان میں سود علانیہ
شائع ہوگیا۔ کہ لوگ اوس سے شرماتے نہیں
گویا وہ اون کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ
عار۔ تو جو اونکو اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے
ان جائز حیلوں میں کسی طرف اوتار لائے۔ جیسے
دس کا نوٹ قسط بندی کرکے بارہ کو بیچنا
اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس
قاضی خاں سے گذرے۔ تو کچھ شبہ نہیں
کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے۔ اور دین نام
نہیں مگر ہر مسلمان کی خیر خواہی کا۔ اور لوگ
اگرچہ گناہ علانیہ کر رہے ہیں۔ مگر اسلام ابھی باقی
ہے۔ وللہ الحمد۔ تو جب وہ ایسی بات
سنیں جس سے اپنی مراد پائیں۔ اور حرام سے بچیں
تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں۔ کہ اون کو شریعت
اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں۔ اور
بیشک مشائخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ
نے تاجروں سے فرمایا۔ وہ عینہ جس کا ذکر
حدیث شریف میں ہے تمہاری ان بیعوں سے
بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا۔ یہ
ٹھیک بات ہے۔ اس لئے کہ بلاشبہ بیع فاسد
غصب حرام کے حکم میں ہے۔ تو کہاں وہ اور کہاں
بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اوسکی کراہت میں بھی اختلاف ہے
رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ

عنه فما الفرق بينه وبين الربا
مع حصول الفضل فيهما **اقول**
هذا اعتراض اورده المشركون
وقد تكفل الجواب عنه ربنا تبارك
وتعالى فى القرآن العظيم قالوا انما البيع
مثل الربوا واحل الله البيع وحرم الربوا
الم ير المعترض انا انما احللنا الربح
فى بيع جنسين متخالفين فان حرم
هذا لانسد باب البياعات
ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم
انتهى الجواب بتوفيق الوهاب والحمد
لله اولا واخرا و باطنا وظاهرا و
سميته كفل الفقيه الفاهم
فى احكام قرطاس الدراهم
ليكون العلم علما على عام التاليف
وقد ابتدأ فيه العبد الضعيف
يوم السبت ثم عاودتنى الحمى
يوم الاحد. فانهيته ضحى يوم الاثنين
لسبع بقين من المحرم الحرام سنة ١٣٢٤ھ
وذلك فى بلد الله الحرام باقتراح
الفاضل الصفى الوفى امام المقام
الحنفى مولانا الشيخ عبد الله
بن شيخ الخطباء وسيد الائمة العظماء

تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے - حالانکہ
زیادتی دونوں میں حاصل ہوئی۔ **اقول**
یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب
العزت تبارک و تعالے نے قرآن عظیم میں اس
کا جواب دیا - کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی
ہے جیسے ربا - اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور
حرام کیا سود - کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع
وہیں حلال کیا ہے جہاں دو مختلف چیزوں کی بیع ہو - تو
اگر یہ حرام ہو تو خرید و فروخت کا دروازہ ہی بند ہو جائے
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا - اور اللہ
ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں و عیاں
اور میں نے اسکا نام کفل الفقیہ الفاہم
فی احکام قرطاس ۱۳۲۴ھ الدراہم رکھا -
تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو - اور
بندۂ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا
تھا - پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا - تو پیر کے
دن پہر دن چڑھے میں نے اسے تمام کیا - محرم شریف
کی تیئیس ۲۳ تاریخ ۱۳۲۴ھ - اور یہ تصنیف اللہ
کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں ہوئی - اونکی
خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی
کے امام ہیں مولینا شیخ عبداللہ اونکے صاحبزادہ
جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں

Marfat.com

العالم العامل الفاضل الكامل
الزاهد الورع التقي النقي مجمع
الفضائل ومنبع الفواضل حضرة
الشيخ احمد ابي الخير حفظهما
الله تعالىٰ عن كل ضير ورزقهما
من كل خير وغفر لنا ذنوبنا و
ستر عيوبنا وخفف اثقالنا وحقق
آمالنا ورزقنا العود بعد العود الى
هذا البيت الكريم وبيت الحبيب الرؤف
الرحيم عليه وعلىٰ آله افضل الصلوٰة و
التسليم بقبوله ورضاه حتى يجعل
آخر ذلك موتنا على الايمان في
المدينة المنورة والدفن بالبقيع
والفوز بشفاعة الشفيع الرفيع صلى
الله تعالىٰ عليه وسلم وعلىٰ آله و
صحبه وبارك وكرم آمين وَ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين ۝

یعنی عالم باعمل، فاضل کامل۔ زاہد
کم و رع۔ متقی۔ پاکیزہ۔ مجمع
فضائل۔ ومنبع فواضل حضرت
شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالیٰ ہر ضرر سے
اون دونوں کا نگہبان ہو۔ اور ہر بھلائی سے
اون کو حصہ دے۔ اور ہمارے گناہ بخشے
اور ہمارے عیب چھپائے۔ اور ہمارے بوجھ
ہلکے کرے۔ اور ہماری آرزوئیں پوری کرے
اور ہمیں بار بار اس عزت والے گھر اور مزار
نبی رؤف رحیم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ
والتسلیم کی طرف اپنے قبول و رضا کے ساتھ
عود کرنا نصیب فرمائے۔ یہانتک کہ آخر میں ہمیں ایمان
کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن
ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے
اللہ تعالیٰ اونپر درود وسلام بھیجے اور اونکی آل
واصحاب پر۔ اور اپنی برکت و تکریم اونپر اتارے آمین
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِين ۝

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الآتی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ
عبد المصطفیٰ احمد رضا غفرلہ

Marfat.com

فتویٰ حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت جناب مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین شاہ صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جو آجکل رائج ہیں ان کا خرید و فروخت زیادہ و کم پر جائز ہے۔ یا نہیں؟ بیّنوا توجروا ✦

الجواب ہو الملہم للصواب۔ خرید و فروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے۔ اسواسطے کہ متکلم نے اسکو مال قرار دیا ہے اور جو شئے کہ اصطلاح قوم میں مال قرار دی جاوے خواہ وہ فی اصلہ اوس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو۔ لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اوس میں ثابت ہوجاتی ہے۔ اور کم و بیش پر اوسکی خرید و فروخت جائز ہو جاتی ہے۔ قال فی الھدایۃ ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف وقال محمد لایجوز لان الثمنیۃ تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما واذا بقیت اثمانا لا تتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرھم بالدرھمین ولھما الثمنیۃ فی حقھما تثبت باصطلاحھما اذ لا ولایۃ للغیر علیھما فتبطل باصطلاحھما واذا بطلت الثمنیۃ تتعین بالتعیین انتہیٰ۔ پس جبکہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے۔ مالیت ثابت ہوئی۔ تو اس کا بھی خرید و فروخت ساتھ کمی اور بیشی کے جائز ہے۔ فی ردّ المحتار فی باب العینۃ حتی لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ انتہیٰ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہ

الجواب صواب
محمد ارشاد حسین احمدی

البتہ بیع و شراء مذکور جائز ہے۔ فقط
العبد
محمد عبدالقادر عفی عنہ

محمد ریاست علی خاں

الجواب صواب
محمد حسن

بلاشبہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے

الجواب صحیح
کتبہ
حامد حسین عفی عنہ ✦

الجواب ہو الجواب
محمد نظر علی

اور بیع و شراء مذکور جائز ہے فقط
العبد
ابو القاسم محمد مزمل عفی عنہ

حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے

الجواب صحیح
محمد اعجاز حسین

الجواب صواب
محمد عبدالجلیل بن محمد عبدالحق خاں۔

العبد
محمد عنایت اللہ عفی عنہ

Marfat.com

كَاسِرُ السَّفِيْهِ الْوَاهِمْ

فی

اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمْ

۱۳۲۹ھ

کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّيْلُ الْمَنُوْطُ لِرِسَالَةِ النُّوْطِ

۱۳۲۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

الحمد للہ رسالہ مبارکہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ) نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظر و باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکہ معظمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفتاء پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا۔ اوسوقت تک رقم سے کم زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا۔ اونکا فتوٰی اگرچہ وہاں موجود نہ تھا۔ مگر اوسکا مضمون ذہن میں تھا۔ بفضلہ تعالیٰ اگیارہویں مسئلہ میں اوسکا وافی وشافی رد گذرا۔ کہ منصف کو کافی اور اوہام کا ناقی ہے۔ وللہ الحمد یہ معلوم بھی نہ تھا۔ کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھیراکر سرے سے سال سے خارج اور کم و بیش درکنار برابر کو بھی اوسکی خرید و فروخت ناجائز کر چکے ہیں تاہم بالہام الٰہی شروع کتاب میں اسپر بقدر کفایت بحث ہوئی۔ جس نے حق کے چہرہ سے نقاب

اوٹھائی۔ اور سفاہت السفہا گھر تک پہنچائی۔ والحمد للہ۔ حاجت نہ تھی۔ کہ اب اوس وہم یا اس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو۔ لیکن نفع برادرانِ دینی کے لئے مناسب معلوم ہوا۔ کہ اول دونوں تحریروں کو ذکر کروں۔ اور اونکے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے۔ اوسکا پتا دوں۔ اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اوس کا تاریخی نام کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم رکھوں۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے۔ اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف۔ ابدال کے لحاظ سے لفظ ابدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہیئے کہ اون کو نفس مبادلہ و بیع نوٹ میں غرض سفاہت ہے۔ اور دوم کے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغۂ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو۔ جائز رکھتے ہیں۔ اور درپارہ کم و بیش وہم ممانعت ہے۔ ہذا و باللہ التوفیق

ردّ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوٰے صـ ۱۶۹ میں ہے نوٹ وثیقہ اوس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے۔ اسواسطے کہ نوٹ میں نقصان آجاوے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں۔ اور اگر گم ہو جاوے۔ تو بشرط ثبوت اوسکا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ بیع ہوتا۔ تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے۔ کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جاوے۔ تو بائع سے بدل لے سکیں۔ پس اسی تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا۔ کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس مبیع ہے۔ اور نوٹ نقدین اون میں زکوٰۃ نہیں۔ اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں۔ اور نوٹ تمسک ہے اوسپر زکوٰۃ ہوگی۔ اکثر لوگوں کو شبہ ہو رہا ہے۔ کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے۔ کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں۔ سخت غلطی ہے۔ فقط۔ اور جلد اول صفحہ ۵۷ و ۶۷ میں ہے۔ نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں۔ مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے۔ اور بھی عقد حوالہ کے جائز ہے۔ مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے۔ یہ تفصیل اس کی ہے۔ فقط

Marfat.com

جناب گنگوہی صاحب نے اوّل نوٹ کو تمسک بنایا۔ اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے۔ اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے۔ وہ تو دریا کے پانی نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے۔ جس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی۔ اوس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھیرایا۔ اگرچہ برابر کو ہے۔ مگر خود ہی

اسی جلد دوم کے صفحہ ۱۷۳ پر فرمانے والے تھے۔ کہ روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کو رجسٹری یا بیمہ کرا دینا ہے۔ اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کر چکا ہوں۔ نوٹ آئینگے کس گھر سے؟ کہ رجسٹری کرا کر مرسل ہوں۔ ناچار اِدھر اُدھر ٹٹولا۔ حوالہ پر ہاتھ پڑا۔ لہٰذا اس حیلہ حوالہ کی گڑھ دی۔ کہ بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے۔ یعنے زید نے عمرو سے جو پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے اوسے دیئے۔ وہ اگرچہ خریدم و فروختم کہہ رہے ہیں۔ مگر زبردستی اونکے سر یہ منڈھو۔ کہ نہ بیچا۔ نہ مول لیا۔ نہ قیمت دی۔ بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیئے۔ اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا۔ وہ بھی قرض کا لین دین تھا۔ ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا۔ کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی۔ اور اوس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اوس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ تاکہ سند باشد وعند الحاجۃ بکار آید۔ اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا۔ اس نے زید سے پانچ روپے لودھار لئے۔ اور وہی تمسک اب اوسے پکڑا دیا۔ کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں۔ جنکو برسیں گزریں۔ اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے۔ ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر لوتار دیئے۔ تم اوس سے وصول کر لینا۔ یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسکو ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے۔ اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ۱۳ و ۱۵ میں گزرا۔ پھر بھی اوسکی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں۔ کہ اوس کے ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی۔ انشاء اللہ تعالےٰ فاقول وباللہ التوفیق

اوّل تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہان بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں۔ زبردستی اوس سے تڑا کر وہ عقد لون کے سر چیپٹیو جو اون کے خواب و خیال میں نہیں۔ گنگوہ کے کوردہ سے اوٹھکر تمام دُنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ۔ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمہیں خرید و فروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو۔ بالکل اپنی ملک سے نوٹ کا خارج

Marfat.com

ہوکر مشتری کی ملک میں داخل ہونا اور مشتری اوس کے عوض روپے دیکر نوٹ کا اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے۔ یا یہ کہ نوٹ دینے والا اوس سے قرض مانگتا ہے۔ اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے۔ ہدایہ میں ہے العبرۃ فی العقود للمعانی عقود میں معانی کا اعتبار ہے۔ مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے۔ قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصود یہی مراد یہی مفہوم یہی مفاد اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بنا کر کہتے جیئے۔ کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو۔ نہ قصد رکھتے ہو۔ مگر تمہاری مراد ہے کچھ اور۔ اور اگر ایسی تصحیح ہو۔ تو دنیا میں فاسد سا فاسد عقد ٹھیک ہو جائیگا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ سیر بھر چاندی کو بیع کیا۔ تو اگرچہ اونہوں نے کہا یہی کہ بیچا خریدا اور اون کا قصد بھی یہی تھا۔ مگر کیوں ٹھیر لیئے۔ کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں۔ مگر یہ بیع نہ تھی۔ بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا۔ عمرو نے اسکی جزا میں سیر بھر چاندی اوسکو ہبہ کردی۔ اس میں کیا حرج ہوا۔ لہٰذا سود حلال طیب ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں۔ بلکہ سنت ہے۔ کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہ عالم پناہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حضیر اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اوسکے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان فلانا اھدیٰ الیّ ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات الحدیث۔ تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے۔ اور سود حلال کر لیجیئے۔ ایسے حیلے والے کو سے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سوجھتے ہیں گے۔ مگر علم و عقل و بصر و بصیرت والے اونکو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ۔ فتح میں اوس کی شرح میں فرمایا۔ تصحیح العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقد ان البیع فیہ لا فی غیرہ۔ ہدایہ میں ہے۔ التغییر لا یجوز وان کان فیہ تصحیح التصرف فتح میں شرح میں فرمایا تغییر تصرفھما لا یجوز وان کان فیہ تصحیح التصرف بدلیل الاجماع (الیٰ ان قال) فھذہ احکام اجماعیۃ کلھا دالۃ علیٰ ان تغییر التصرف لا یجوز وان کان یتوصل بہ الیٰ تصحیحہ ہدایہ میں اسی کے متعلق

Marfat.com

ہے۔ فیہ تغییر وصفہ لا اصلہ عنایہ میں اسکی شرح میں فرمایا والجواب عن تغییر تصرفہ ان یقال فیہ تغییر وصف التصرف او اصلہ والاوّل مسلّم ولا نسلّم انہ مانع عن الجواز والثانی ممنوع ہدایہ میں ہے اذا اشتری قلبا بعشرۃ وثوبا بعشرۃ ثم باعھما مرابحۃ لا یجوز وان امکن صرف الربح الی الثواب لانہ یصیر تولیۃ فی القلب بصرف الربح کلہ الی الثواب فتح میں ہے۔ اما مسئلۃ المرابحۃ فعدم الصرف لانہ یتغیر اصل العقد اذ یصیر تولیۃ فی القلب۔ ان تصریحات ائمہ سے روشن ہوا۔ کہ متعاقدین جو عقد کر رہے ہیں۔ وہ اگرچہ باطل و فاسد ہو۔ اور دوسرا عقد ٹھیرانے میں اوسکی تصحیح ہوتی ہو۔ ہرگز ایسی تصحیح جائز نہیں۔ اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جبکہ اوس میں اصل عقد حاقدین کی تغییر ہوتی ہو۔ اور تصریح فرمائی۔ کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغییر ہے۔ کہ بالاجماع جائز نہیں۔ حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی۔ تو بیع کی سرے سے کایا پلٹ کر کے حوالہ کر دینا کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا۔ آپ کے لیکھے بیع نہ ہوئی۔ افیونی کی ریوڑی ہوئی۔ کہ گرتے ہی مزہ بدل گیا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

دوم۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے۔ کہ اگر زید عمرو کے دین سے منکر ہو۔ تو عمرو بذریعہ تمسک اوس سے وصول کر سکے۔ تمسک اسلئے نہیں ہوتا۔ کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے۔ اوس کے دام وصول کر لے۔ زید کے پاس عمرو بکر خالد ولید دنیا بھر کا کوئی شخص اوسے لے کر آئے۔ یہ اوسے دام پرکھا دے۔ بلکہ زید و عمرو دائن و مدیون دونوں بالائے طاق رہیں۔ تیسرا شخص محض اجنبی بچوتھے شخص نرے بیگانے کو دیکر اوس سے دام لے لے۔ دنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سنا ہے۔ اور نوٹ کی حالت یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے۔ اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو۔ جبکہ یہاں کا سکہ اوس سلطنت میں چلتا ہو۔ جس شخص سے چاہے۔ اوس کے دام لے لیگا۔ یہ حالت یقیناً مال کی ہے۔ نہ کہ تمسک کی۔ تو اوسے تمسک کہنا کیسا اندھاپن ہے۔ بلکہ وہ بالیقین مال ہے۔ سکہ ہے۔ ولکن

العُمیانَ لا یبصرُونَ ۝

سوم۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود و عدم پر دَین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا۔ بلکہ جب دَین ثابت ہو۔ مدیون پر دینا لازم آئیگا۔ تمسک رہے یا نہ رہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دیکر خزانہ سے ہزار ہزار روپے کے سو نوٹ لئے۔ اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرا دیئے۔ تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کرلے۔ اگرچہ نوٹ اوس کے پاس جل گئے۔ یا پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے۔ یا چوری گئے۔ یا اوس نے کسی کو دیدیئے۔ کہ خزانہ آپ کے نزدیک اوسکا، یوں ہے۔ اور تمسک نہ رہنے سے دَین ساقط نہیں ہوتا۔ اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ کہ میادا نوٹ نہ جلے۔ نہ پھٹے۔ بلکہ اس کے پاس موجود ہوں۔ یا اوس نے کسی کو دیدیئے ہوں۔ تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئے۔ ہمیں دوبارہ دینا پڑیگا۔ دوبارہ کیوں دینا ہوگا یہ لایا تو کہدیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا۔ تجھے ادا کر دیا۔ اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے۔ اور دوسرا لایا۔ تو کہدیا جائیگا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں۔ اب ہم پر مطالبہ نہیں۔ مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر یا کسی کو دیکر گورنمنٹ سے روپیہ مانگیگے۔ تو اگر اوس نے پاگل جانا تو اتوار کو پھیر دیگی۔ ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائیگی۔ اوسوقت آپ کی آنکھیں کھلینگی۔ کہ نوٹ کیسا تمسک تھا۔ یہ حالت صراحۃً مال کی ہے۔ کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اوسے تلف کر دے۔ یا کسی کو دیدے۔ اور اپنے روپے بائع سے مانگے۔ تو کم از کم پاگل ٹھیرتا ہے ✦

چھ دام۔ یہیں سے آپ کے شبہ کا کشف ہو گیا کہ کم جائے۔ یا نقصان آجائے۔ تو بدلوا سکتے ہیں۔ یہ مطلقاً ہرگز صحیح نہیں۔ اور اگر تمسک ہوتا۔ تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک و تلف کر دینے سے دَین پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور بعض میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی۔ تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا۔ سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی۔ کہ ہزار کیمیا کو اوس سے کچھ نسبت نہیں۔ چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کر دیں۔ دس ہزار کا کر دیں۔ ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے بعض رعایتیں کی ضرورت تھی۔ ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے۔ آگ میں جل جائے۔ پانی میں گل جائے۔ استعمال سے چاک ہو

گم ہو جائے۔ لیا ہو۔ کیا ہو۔ تو ہمارا مال یونہی برباد ہو۔ اُسکی تسکین کے لئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ مالک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا۔ یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدوں سے اطمینان دلاتے ہیں۔ برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں کرتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے۔ یا بیکار ہو۔ تو بنا دینگے۔ بدل دینگے۔ یہاں بھی کہدینا کہ بھلا دنیا میں کوئی مسیح بھی ایسی ہے۔ کہ آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکا لیں۔ ہاں یہ کہیئے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلاف شرع ہے۔ پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا ؛

پنجم۔ سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اوسے ہر قرض و دین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے۔ یہانتک کہ جو شخص سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرے۔ یا وہ ملازم جنکی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا اور ختم ملازمت پر اونکو دیا جاتا ہے۔ وہ مانگیں۔ یا نہ مانگیں۔ ساری مدت کا سود حساب لگا کر اونہیں دیتی ہے۔ بلکہ وہ کہے کہ میں سود نہ لونگا۔ جب بھی ماہوار سود اُسکے نام سے درج ہوتا رہتا ہے۔ اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کر کے اوسکا وثیقہ لینا ہوتا۔ تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اوسکے لئے سود لکھتی رہتی۔ جب تک وہ نوٹ دیکر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہو گا کہ ہائیں ہم اور سود مانگیں۔ اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب۔ حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سود بلکہ سوئر کھانے سے بدتر ہے۔ خیر آپ نہ جایئے۔ امتحان کے لئے کسی بنیئے کو بھیج دیکھیئے۔ کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اوس ہزار کا سود گورنمنٹ سے مانگنے جائے۔ دیکھیئے تو ابھی اوسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائیگا۔ اور جتنی اوسپر پڑینگی حقیقۃً اوسپر نہ ہونگی۔ بلکہ اوسپر ہونگی جس نے اوسے یہ چکمہ دیا تھا۔ کہ نوٹ کی خریداری نہیں۔ بلکہ روپیہ قرض دیکر تمسک لینا ہے ؛

ششم زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سو اور دو سو ہزار قرض لیتا رہے۔ اس تمام مدت میں تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا۔ اور جس تمسک کی میعاد ختم ہوتے آئیگی۔ بدل دیگا۔ یہانتک کہ اوسپر عمرو کے دس ہزار جمع ہو گئے۔ اب اوس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دیئے۔ اسی وقت سے اوسکا حساب بند ہو جائیگا۔ عمرو سب تمسکات اوسے پھیر دیگا۔ اوسے فارغخطی لکھدیگا۔ زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھیگا کہ قرضہ دلعدم وصول ہو گیا۔ مگر گنگو ہی صاحب فرماتے ہیں۔ دس ہزار

Marfat.com

کے نوٹ دیئے ۔ تو کیا ہوا ۔ وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی ۔ اس جہان بھر سے نرالی مت کا کیا کہنا ۔

ہفتم: فرض کیجیے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے اور تمسک لکھ دیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائے گا ۔ تین برس گذرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دیدیے تحکم جہان اور بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھینگے کہ قرض ادا ہو گیا ۔ مگر گنگو ہی صاحب سے پوچھیے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے ۔ تو اس فضول کارروائی کا محصل کیا ہوا ۔ تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا ۔ اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی ؟ بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا ۔ کہ نوٹ دے کر اپنا قرض گورنمنٹ پر اوتار دیا ۔ گورنمنٹ کو کیا نفع ہوا ۔ اوسکا قرض اوسی پر تو رہا ۔ اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھیے ۔ نرے تمسک پر بھول کر حساب بند کر بیٹھا ۔ ظاہراً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند ۔ تو سب کی بند ۔

ہشتم ۔ حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اوتارنے کو کہتے ہیں ۔ تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہو ۔ اور اس صورت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے ۔ تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو ۔ نہ زید کا قرض بکر پر اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے ۔ تو یہ محض باطل و بے اثر ہے ۔ اگرچہ بکر اوس حوالہ کو قبول بھی کرلے ۔ کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اوتارتا ہے ۔ نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کراتا ہے ۔ بلکہ بلاوجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لیلے ۔ بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہوا ۔ کہ میں اتنا مال عمرو کو بخش دونگا ۔ اور محض وعدہ پر جبر نہیں ۔ لہٰذا اس قول کا کچھ اثر نہیں عالمگیری میں ہے اذا احال وجلا علیٰ غریمہ ولیس للمحتال له علی المحیل دین فھذہ وکالۃ ولیست بحوالۃ ھکذا فی الخلاصۃ اوسی میں ہے احال علیہ مائۃ من من الحنطۃ ولم یکن المحیل علی المحتال علیہ شئ ولا المحتال له علی المحیل فقبل المحتال علیہ ذلک لا شئ علیہ کذا فی القنیۃ ۔ اب فرض کیجیے کہ ایک بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے ۔ پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی ۔ اوس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے ۔ بنک نے وہی نوٹ دیدیئے

Marfat.com

تمام دُنیا تو یہی جانیگی۔ کہ بنک نے ضرور قرض دیا۔ مگر آپ اپنی کہیئے۔ اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ اسا تھا۔ انتہا یہ کہ وکالت ہوگی۔ جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اوس سے قرض مانگا۔ اوس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دیکر برات عاشقاں بر شاخ آہو پر ٹال دیا۔ یعنی گورنمنٹ کو وکیل کر دیا۔ کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کرو۔ ہم کچھ نہ دینگے۔ لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں۔ تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو۔ یہ کیا قرض دینا ہوا۔ زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں۔ زید اوس سے اور قرض لینے آئے۔ اسپر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے۔ اوسی سے وصول کر لو۔ تو اوس نے یہ قرض دیا۔ یا ٹال دیا۔ بلکہ اسے یوں نپٹیرا دیا کہ دَین معاف کیا۔ اور تمسک واپس دیئے۔ معاملہ ختم ہوا۔ گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لیلے۔ اور کوڑی نہ دے۔ سستے چھوٹے

نہم۔ قرض کرنا گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے۔ پھر ایک وقت پر اوس سے قرض مانگا۔ اوس نے وُہی نوٹ دیدیئے۔ دُنیا جانیگی۔ کہ گورنمنٹ پر اوس کے بیس لاکھ قرض ہو گئے۔ مگر گنگو ہی صاحب کہینگے۔ ایک پیسہ بھی قرض نہ ہوا۔ گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لے لے۔ اور اوسے کچھ نہ دے۔ اسلیئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا۔ نہ جس پر حوالہ کیا اوسپر اوسکا پہلے کوئی دَین تھا۔ تو کارروائی باطل ہوئی۔ اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ غرض یہ آپ نے وہ گرہی ہے۔ کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہر نہ ملک بھر کے خیال میں آپ ہی اپنی ڈیڑھ کی الگ بگھار رہے ہیں +

دہم۔ حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے۔ اور دائن محتال۔ اور جس پر قرض اوتارا گیا کہ اوس سے وصول کر لینا اوسے محتال علیہ یا حویل کہیئے۔ یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے۔ تو آپ کے طریق زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا۔ اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا۔ اور گورنمنٹ حویل۔ اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہو سکتا ہے اگرچہ محیل کا اوسپر کچھ نہ سہی ہو۔ کہ اُس نے جب حوالہ قبول کر لیا۔ تو اوس کا دَین اپنے سر لیا۔ اگرچہ اُسکا اُسپر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جب کہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو۔ اور محیل کا حوالہ مان کر اوس کا دَین محتال کو ادا کر دے۔ تو اوسی قدر محیل سے واپس لیگا۔ کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دَین ادا کیا ہے۔ اور اگر محتال حویل

کو دین ہبہ کردے۔ یا کہے میں نے وہ دین تیرے لئے چھوڑ دیا جب بھی حویل محیل سے بھروالیگا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہوجانے کی مثل ہے۔ فتاوٰی علمگیریہ میں ہے۔ شرائطها الراء بعضها یرجع الی المحتال علیه منه رضاه وقبول الحوالة سواء کان علیه دین او لم یکن عند علمائنا رحمهم الله تعالیٰ کذا فی المحیط اھ ملتقطا۔ اوسی میں ہے۔ اذا ادی المحتال علیه الی المحتال له او وهبه له او تصدق به علیه او مات المحتال له فورثه المحتال علیه یرجع فی ذلک کله علی المحیل ولو ابرأ المحتال له المحتال علیه برئ ولم یرجع علی المحیل کذا فی الخلاصة واذا قال للمحتال علیه قد ترکته لک کان للمحتال علیه ان یرجع علی المحیل کذا فی خزانة الفتاوٰی ردّ المحتار میں ہے۔ المحال لو ابرأ المحال علیه لم یرجع علی المحیل وان کانت بامره کالکفالة ولو وهبه رجع ان لم یکن للمحیل علیه دین وتمامه فی البحر۔ اب فرض کیجے۔ کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار کا نوٹ آپ کو انعام دیا۔ ایک بنئے نے روپے دیکر آپ سے خرید لیا۔ پھر کسی موقعہ پر اوس نے گورنمنٹ کی نذر کر دیا۔ اب وہی صورت آگئی۔ آپ بنئے کے محیل تھے۔ اور بنیا محتال۔ اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی۔ آپ بنئے کے مدیون تھے۔ آپ نے اپنا دین نوٹ دیکر گورنمنٹ پر اوتار دیا تھا۔ اور گورنمنٹ اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا۔ روپیہ پائیگا۔ حوالہ قبول کر چکی۔ اور بنئے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دین گورنمنٹ کو نذر کر دیا۔ ہبہ کر دیا۔ ترک کر دیا۔ تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار وصول کر سکے۔ اوسوقت آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا۔ کہ نوٹ کے نوٹ غائب۔ اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب۔ بحمد اللہ۔ اس سفاہت کا بہت طرح رد ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو تلک عشرة کاملة۔ یہ پورے دس کیا کم ہیں۔ وباللہ التوفیق ۔

یازدھم۔ تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے۔ آپ کو اس میں کیا دکھتی سوجھی ہے کہ وہ کچھ محالات اوڑھیے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکیئے۔ مگر اوسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی۔ کہ جو امر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وسائر محبوبان خدا جل وعلا کی تعظیم ومحبت کا پہلو لئے ہو۔ اوس میں اپنی حد کی تنگی دکھاؤ بنے نہ بنے شرک کفر حرام بدعت

Marfat.com

گاؤ۔ اور اپنے معتقدوں کیلئے ذرائع اکل و معاش میں خوب وسعت لاؤ۔ کوا کھانا حلال۔ بلکہ ثواب (دیکھو جلد ۲ صـ۱۷۹) بکرے خصیے کھانا حلال (دیکھو جلد ۳ صـ۱۵۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا۔ کوا کالا کالا۔ یہ گورے گورے۔ ان میں تو گنگو ہی شریعت سے بڑا چمکتا ثواب چاہیئے تھا۔ پاخانہ اوٹھانے کی اجرت مباح خالص حلال طیب جس میں کراہت درکنار۔ کراہت کا شبہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اوٹھا کر جو مال کمایا۔ ایسا مقدس ہے کہ اوسے تعمیر مساجد میں صرف کرنا بھی درست ہے (دیکھو جلد اوّل صـ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد ملوثہ ببدعات توہین و تنقیص کے لائق ایسی ہی کمائی تھی۔ ۶ ہر شکم و لقمۂ شایان اوہو غرض ذرائع دنیا میں اپنوں کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی۔ نوٹ کی خرید و فروخت اور اوسے مال سمجھنے میں کونسا حصہ تعظیم و محبت محبوبانِ خدا کا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہوا۔ وجہ تو بتائیے۔ کہ یہ تمام عالم کا اوسے مال اتنا کیوں نہ مقبول ٹھیرا۔ ثمن اصطلاحی ٹھیرانے میں اصطلاح قوم و ملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے۔ یہاں جملہ اقوام و تمام ممالکِ عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر تیار رہے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ۔ کوئی یہ پوچھے کہ آپ ہیں کون۔ اصطلاح جملہ جہان میں دخل دینے والے۔ نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں صـ۱۳ سے صـ۱۹ تک سوچیے

دوازدھم۔ پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اوسوقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیت تجارت کی نہیں۔ اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو۔ نہ خلقی غنیہ ذوی الاحکام وردالمحتار وغیرہا میں ہے۔ الفلوس انکانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکوٰۃ فی قیمتھا والا فلا درمختار و بحرالرائق و نہرالفائق میں ہے ما غلب غشہ یقوم کالعروض ویشترط فیہ النیۃ الا اذا کانت اثمانا رائجۃ شامی میں ہے ما کان ثمنا رائجا تجب زکوٰتہ سواء نوی التجارۃ او لا اوسی میں ہے۔ عین النقدین لایحتاج الی نیۃ التجارۃ وکذا ما کان ثمنا رائجا۔ بحرالرائق میں کتب کثیرہ سے ہے۔ ان غلب الغش فلیس کالفضۃ کالستوقۃ فینظر ان کانت رائجۃ لو نوی التجارۃ اعتبرت قیمتھا فان بلغت نصابا وجبت فیھا الزکوٰۃ والا فلا صـ۲۵

دیکھئے کراسی پر فتوے ہے۔ ایک آدھ روایت مثیل میں آجانا اور محل و محمل نہ دیکھنا اور راجح و مرجوح

و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقاہت نہیں ہوتا۔ مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقاہت بحمد اللہ تعالےٰ نصیب دشمنان ہے۔ آن وجہ ظاہر کے علاوہ اس دوسطری تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات ہیں۔ مثلاً (۱۳) نوٹ نقدین بتایا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے۔ اور پھر اوسی منہ میں یہ کہ تمسک ہی (۱۴) تمسک کو کہنا کہ اوسپر زکوٰۃ ہے۔ حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں۔ نہ اسکے عدم و وجود کو زکوٰۃ کے وجوب و عدم میں کچھ دخل۔ (۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اوسکی زکوٰۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا۔ کیا مبیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ ابھی تو آپ پیسوں کو مبیع کہکر بحال نیت تجارت زکوٰۃ واجب مان چکے ہیں۔ (۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا۔ شاید عمر بھر کاغذ خریدنے کا اتفاق نہ ہوا۔ نہ اون کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔ (۱۷) لطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا۔ اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۱۷۲ پر خود فرماتے ہیں۔ کہ نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے۔ سبحان اللہ! نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا۔ خریدا کیسے جائیگا۔ مگر حضرت کی اون عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی؟ ع ما علی مثلہ یعتد الخطاء نسئال اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (۱۸) آپ کیا جواب دینگے۔ اگر کوئی آپ کی پچھلی نزاکت پر کہے۔ کہ جب آپ نے اوس عقد کو کہ لفظ میں نیت میں قصد میں فہم میں قطعاً بیع تھا۔ تمام جہان کے فہم و ارادہ کے خلاف کایا پلٹ کر کے حوالہ تراش لیا۔ تو آپ اب کس منہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا نا جائز ہے۔ زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھیرلیتے؟ کہ زید نے جو عمرو کے ہاتھ سو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے۔ یہ بیع نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا نا جائز ہو۔ بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لیئے ہیں۔ اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے۔ وہ اوسپر اوتار دیئے۔ رہے پچیس۔ وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیئے۔ اس میں کونسا ربا ہے۔ فتاوی انام قاضی خاں سے رسالہ کے صفحہ ۶ میں گذرا۔ فان اراد الحیلۃ یستقرض من المشتری اثنی عشر درھما مکسرۃ ثم یقضیہ عشرۃ جیادا ثم ان المقرض یبرئہ عن درھمین فیجوز ذلک۔ نیز خانیہ سے اوسکے متصل گذرا۔ فان اراد الحیلۃ یأخذ التسعۃ بالتسعۃ ویبرئہ عن الدرھم الباقی۔ اگر کہیئے یہ قرض بشرط ابرا عن البعض ہوا۔ تو اوگا کیوں نہ کہیئے کہ جب سرے سے سو کا نوٹ لیکر سوا سو دیتا ہے

Marfat.com

تو قرض بعض وہبہ بعض ہوا۔ پھر اگر زیادتِ ممتازہ یا تبعیض مضر ہو۔ جب تو بلا خدشہ جائز و صحیح و رواہ
اور آپ کا حکم بطل و باد ہوا ہے۔ ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو۔ رہا کہاں سے آیا۔ ثانیاً۔
قرض شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔ بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے۔ تو یہ کہیئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب
رہے۔ ذکہ سود ہوا۔ فانهم ان كنت تفهم۔ لكنك تفهم انك لا تفهم۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم

ردِّ وہم

بحمد اللہ تعالیٰ مولوی صاحب لکھنوی کے رد میں کلام شیع گذرا مسئلہ یا ردِ وہم خاص انہیں کے رد میں
تھا۔ بلکہ کتاب کا اکثر حصہ اونکے رد میں ہے۔ یہاں غالباً اونکا پتہ دینے پر اکتفا ہو۔ مولوی صاحب کی
جلد دوم فتوٰی نمبر ۲۶ **قولہ هو المصوب** **اقول** مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے
پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ اوّلاً اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں۔ ثانیاً معنی لغت
بھی اوسکے مساعد نہیں۔ لغت میں مصوِّب وہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے۔ نہ وہ جو
اوسکی بات کو ٹھیک بنائے۔ یعنی اسے توفیق صواب بخشے۔ تصویب بعد وقوع قول ہوتی ہے۔ اور
توفیقِ صواب اوس سے مقدم۔ ثالثاً۔ اِس کے اور معنی بھی ہیں۔ کہ باری عزوجل پر محال ہیں مصوّب
وہ جو سر جھکائے ہو۔ معوّب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے۔ صوبه قال له
اصبت و رأسه خفضه۔ تاج العروس میں ہے۔ صوبت الفرس اذا ارسلته فی الجری
ہاں مصوب وہ بھی ہے کہ جو دوسرے کا سر نیچا کرے۔ یا بلندی سے پستی میں اوتارے۔ تاج العروس
میں ہے۔ التصويب خلاف التصعيد ومن قطع سدرة صوّب الله رأسه فی النار
ای نكسه اھ مختصراً۔ یہ اگر ہوتا۔ تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا۔ کما فی کتاب
الاسماء والصفات للامام البیهقی۔ پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں۔ تو امثال مقام
میں خود متکلم کی طرف اوسکی اضافت مفہوم ہوتی ہے۔ جیسے هو الهادی سے شروع کرنا اسپر
دلالت کرتا ہے۔ کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ کیا دعا ہوئی۔ کہ الٰہی قائل
کا سر نیچا کردے۔ الٰہی اوسے پستی میں ڈالدے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جدا تھی۔ مگر
شنکر یا پسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے۔ وباللہ التوفیق **قولہ** نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں

Marfat.com

مگر عرفا حکم ثمن میں ہے ۔ اقول ۔ اوّلاً یونہی اکنیاں اور پیسے بھی پھر اس سے کیا حاصل ہوا؟
ثانیاً ۔ اگر یہ مراد کہ اہلِ عُرف اوسکے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں۔ تو صریح غلط۔
بلکہ عامۂ اہلِ عرف اِن احکام سے آگاہ بھی نہیں ۔ بلکہ یہ عُرف مُومنین و کافرین میں مشترک ۔ اور اگر
یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہلِ عرف متعلق ہیں۔ اون سب میں نوٹ کو اوسکا قائم مقام سمجھتے ہیں۔
جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزئین ظروف وغیرہا میں تجمّل ہے
اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں ۔ اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تموّل اور حوائج
تک اوسکے ذریعہ سے توسّل میں نائب مناب جانتے ہیں۔ تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہلِ عرف
اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اوسے مثل ثمن کام میں لائیں۔ پھر اس سے جملہ احکام شرعیۂ ثمن کا
ثبوت کیونکر ہوگیا۔ کیا ثمن خلقی و اصطلاحی میں شرعاً فرقِ احکام نہیں۔ ثالثاً حکم شئے میں ہونا
جنس و قدر شئے میں شئے سے اتحاد نہیں۔ اور یہاں بتصریح حدیث و جملہ کُتب فقہ اسی پر مدار ہے۔
قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے ۔ اقول اوّلاً ثمن اصطلاحی سے عینیت مثل اتحاد خاص و عام
مسلم مگر وہ آپ کو مفید نہیں۔ اور ثمن خلقی یعنی زر و سیم سے عینیت مسلم نہیں۔ کوئی سمجھ وال بچہ بھی
نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہوگیا۔ اگر کہیئے مراد یہ ہے۔ کہ لین دین میں اوسے ایسا ہی سمجھتے
ہیں۔ جیسے روپیہ اشرفی۔ تو یہ وہی عرفا حکم ثمن میں ہونا ہُوا۔ نہ کہ عین ثمن سمجھا جاتا۔ تو بلکہ لغو۔ بلکہ
غلط ہُوا۔ ثانیاً۔ نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے۔ اور اصطلاحی و خلقی متبائین اور متبائنین میں عینیت
محال۔ اور اہلِ عرف مجانین نہیں۔ اور تاویل مذکور بلکہ سے مہجور ثالثاً اگر بفرض غلط اہلِ عرف ایسا
سمجھ بھی لیتے۔ تو شرع مطہر تو عندیہ کا مذہب جنون روا نہیں رکھتی۔ کہ اونکے سمجھ لینے سے خود بھی اوسے
عین ثمن قرار دیکر جملہ احکام ثمن نافذ فرمادے۔ رابعاً ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر
اور نوٹ کی نفسہٖ ایک نوع مستقل ہے۔ اور اس کا عین مفہوم کلی بمعنی جنسی سمجھا جانا تو بداہۃً باطل
اسی طرح انواع مباینہ و متبائنہ سے عینیت اور جنس سے اتحاد خاص و عام کی عینیت تثلیث
کریگی۔ اور وہ شرعاً باطل ہونیکے علاوہ مقصود پر نقض سے خود کریگی۔ کہ انواع مختلفہ ثمن میں تفاضل
حدیث و اجماعِ اُمت تفاضل حلال قولہ اسوجہ سے کہ اگر نوٹ سَو روپے کا کوئی ہلاک کردے۔
تو اصل مالک سَو روپے تاوان لیتا ہے۔ اقول ۔ اوّلاً اگر کوئی سَو روپے کا گھوڑا ہلاک کردے

Marfat.com

جب بھی مالک سو روپیہ تاوان لیتا ہے۔ تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہو گئے۔ اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہو جائیگا۔ کہ عین کا عین۔ اور لفظ اصل حشو ہے۔ ثانیاً۔ یہ تو ظاہر عبارت پر تھا۔ اب حل سنیے لیتا ہے سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اوسپر جبر ہوگا۔ اول مسلم اور اوس سے وہم عینیت مدفوع۔ اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگائیے۔ جب بھی لا یغنی من جوع۔ کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کردے۔ تو مالک بخوشی ایک روپیہ لے لیگا۔ اور اوسمیں اور ۶۴ پیسے لینے میں کچھ فرق نہیں سمجھیگا اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہو گئے۔ اور ثانی میں جبر متلف پر ہے۔ یعنی اوسے روپے ہی دینے پر مجبور کرینگے۔ یا مالک پر کہ اوسے قبول زر پر جبر کرینگے۔ اول صراحۃً باطل۔ وہ سو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے۔ اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ وہی حکم اصلی ہے۔ کہ نوٹ مثلی ہے۔ معہذا یہ مقصود پر نقض کے ساتھ عائد ہوگا۔ کہ اتلاف نوٹ میں ادائے درہم پر جبر ہو۔ تو نوٹ قیمتی ٹھہرے۔ اور روپیہ مثلی ہے۔ اور قیمتی و مثلی ایک نہیں سمجھے جا سکتے۔ اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج و مالیت ادا کرنے والا مخیر ہوتا ہے اور انکار تعنت۔ اسکا بیان رسالہ کے صہ ۹۷ سے صہ ۱۰۱ تک دیکھئے۔ **قولہ** اور سو روپیہ کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے۔ تو مقصود اوس سے قیمت ملنا اوس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے۔ بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اوس کی قیمت لینا ہوتا ہے **اقول** (۱۳ تا ۱۷) اس کے پانچ رد حاشیہ صہ ۱۰۳ میں گذرے۔ اور (۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ اس کے بھی پانچ رد گذرے چار صہ ۱۸ و ۲۱ پر اول یہ کہ حسب تصریح علما کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے۔ نہ کہ یہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔ دوم سکہ قیمتی ہے۔ سوم حقیر شئے کسی وصف کے سبب اپنے ہزاروں امثال سے گراں ہو جاتی ہے۔ چہارم ورق علم کا مسئلہ اور پانچواں رد صہ ۳۰ پر کہ تقویم میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر **قولہ** اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے۔ تو بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے[1]۔ یا سو روپے دیوے۔ دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے

---

[1] یہاں متصل دو سطروں میں تین جگہ دیوے ہے۔ اسپر بعض فصحاء نے کہا کہ عجب اوس فصیح سے جو دیوے لیوے کہوے۔ حالانکہ لکھنؤ میں رہوے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ اعتراض بیمحل سا ہے۔ ایسے فضلا معانی میں یوں فرق ہوتے ہیں جیسے ثمن میں نوٹ۔ تو اونکے الفاظ ساقط الاعتبار ہیں ۱۲ کاتب عفی عنہ

Marfat.com

لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے۔ تو دائن نہیں لیتا
ہے۔ اقول اولاً پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پندرہ روپے دے۔ یا ایک ساورن
دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس
دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے
اور قدر تو متحد تھی ہی۔ تو فرض قطعی ہوا۔ کہ سونا جب چاندی سے بچیں۔ دونوں کانٹے کی تول برابر کریں
رتی بھر کمی بیشی ہوئی۔ تو سود و حرام و گناہ کبیرہ و استحقاق نار جہنم و عذاب الیم ہوگا۔ یہ اجماع قطعی
جمیع امت مرحومہ و تواتر قطعی و حصل جملہ تحقیقات عالم سب کے خلاف ہے ثانیاً آٹھ آنے پیسے اگر کوئی
قرض لے۔ تو وقت ادا پیسے ہی دیئے۔ یا آٹھ اکنیاں۔ یا ایک اٹھنی۔ تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں
دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو چاندی اور
سونا بھی جنس واحد ہوئے۔ اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہو چکے ہیں۔ تو تانبا اور سونا بھی ایک جنس ہوئے
کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے۔ اور اون سب میں قدر تو متحد تھی ہی۔ تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو
بیچا جائے۔ ایک جھد ما بھی زیادہ ہوا۔ تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور تو کیا
عرض کروں لیکن صراف اگر فتاوے پر عمل کرلیں۔ تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ ہو جائے۔ ثالثاً پندرہ
روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے۔ ایک دس اور ایک پانچ کا۔ یا تینوں پانچ پانچ کے۔ تو وقت ادا خواہ
پندرہ کے نوٹ دے۔ یا ایک ساورن۔ دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے
میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس
ہوئے۔ اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کر چکے ہیں۔ اور چاندی اور سونا قطعاً دو جنس متباین ہیں
ولہٰذا باجماع امت و تواتر قطعی اون میں تفاضل روا ہے۔ تو شئے واحد دو نوع متباین سے کیونکر متحد
ہوگئی۔ ظاہر ہوا۔ کہ اس عذر نہ ہونے کو مقیاس اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا۔ بلکہ اوسکی وجہ وہی
مساوی رواج و مالیت ہے جس کا بیان صفحہ ۱۰۶ سے صفحہ ۱۱۰ تک گذرا۔ رابعاً مل یہ ہے کہ
بے عذری یعنی قبول ذی حق و اتحاد جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے۔ کہیں اتحاد جنس ہے اور قبول نہیں
سونے کا گہنا خریدنے والا اوسکے بدلے اشرفیاں نہ لیگا۔ کہیں قبول ہے۔ اور اتحادِ جنس نہیں۔ جیسے پندرہ
روپے اور اشرفی۔ روپے اور نوٹ۔ نوٹ اور اشرفی۔ اٹھنی اور پیسے۔ اٹھنی اور اکنیاں۔ اور زیادہ اجتماع

Marfat.com

ظاہر ہے۔ تو ایک کے وجود سے دُوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے۔ لہٰذا حیوان ہے۔ کوا حیوان ہے۔ لہٰذا ابیض ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ ۔ خامساً۔ یہ شُبہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا۔ وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی۔ یہاں قرض سے۔ بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہ کی جڑ ہے۔ اس غرض کیلئے کہ کچھ تو شاندار ہو جائے۔ اوسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں۔ ہاں بیان میں اتنا فرق ضرور ہُوا۔ کہ پہلی عبارت نہایت ناقصہ قاصرہ تھی۔ مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی۔ عذر نہ ہونا عذر نہ ہو سکنے کو مستلزم نہیں۔ اور ممکن کہ باوصف تغایر جنس کسی غرض وجہِ خاص کے سبب عذر نہ ہو! ہاں عذر نہ ہو سکنا کچھ وہم ڈالتا۔ مگر ہم اونہیں صفحات میں بحر الرائق و ردّ المحتار سے اس کا ازالہ کر آئے۔ کہ شرعاً بھی باوجود مغایرت جنس ہنگام استیائے دراہم و مالیت قبول پر حیر کیا جاتا ہے۔ اور عذر تعنت قرار پاتا ہے۔ تو اب جڑ کا شبہ جڑ سے اکھڑ گیا۔ وللہ الحمد

سادساً طرفہ مزہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بقید ٹھیرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ اوسنے معاملہ سے جُدا اور خود روپوں پر ورود عقد بیان فرما چکے ہیں۔ اور بلا فصل اوس کے متصل ہی نوٹ پر ورود عقد اور اوسکے عین جنسِ نقد بنا دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ تناقض کتنا بالطف ہے۔ سابعاً میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں۔ وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سَو روپے کا مال بتایا۔ جس کا تاوان سَو روپے آیا۔ دوسرے فقرہ میں اُسے موارد عقد سے جلا وطن ہونیکا حکم فرمایا۔ کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں۔ وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں۔ تیسرے فقرہ میں وُہی کاغذ جمع کروٹ لے۔ تو پھر سَو روپے کا۔ بلکہ سَو روپے سے متحد الجنس ہو گیا۔ ثامناً لطف یہ کہ دھوئے تو وہ فرمایا۔ کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہو گی۔ اور اوسکے دلائل میں یہ کہ روپوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے۔ نہ اوس کاغذ کا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ۔ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا۔ خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا۔ نہ کہ روپوں کا تو دلیل مناقضِ دعوے ہے۔ فافہم[1]

---

[1] اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر سے عذر خواہی کے لئے شاید ایک تاویل گھڑتے کہ ہم نے اشارہ میں صرف ذات من حیث المقدار مراد لی۔ اور صدہا سائر الاوصاف اوسی کو روپے جانا۔ مگر یہ گھڑت کے علاوہ بداہت بصد اصناف مکابرہ اور دعوے پر صریح مصادرہ ہے۔ کما لا یخفی۔ لہٰذا نہ قابل سماعت۔ نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات بات بن جائے۔ یہ بہر حال ناممکن ۱۲ منہ حفظہ ربہ۔

Marfat.com

قولہ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں۔ مگر یہ کیفیت اونکی نہیں ہے۔ اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے۔ یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے۔ اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دیوے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے۔ یا نہ لے۔ اور حاکم کی طرف سے اُسپر جبر نہیں ہو سکتا۔ کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔ **اقول** اولاً۔ خلاف منصوص ہے جیسا کہ گذرا۔ ثانیاً مشاہدہ کے خلاف۔ اور یوں اعتبار نہ آئے۔ تو اسکا عکس کر دیکھیے۔ کہ ۶۴ پیسے قرض لئے۔ یا ثمن قرار دیئے ہوں۔ اور ایک روپیہ دے۔ تو دائن و بائع کو ہرگز کچھ عذر نہیں ہوتا۔ بے تکلف قبول کر لیتا ہے۔ اور ضد کرے تو متعنت ہے۔ اور متعنت کی بات مردود۔ ثالثاً مولوی صاحب چوکے سو روپے کی مثال لاتے۔ تو بات نظر عوام میں لگتی ہوئی ہوتی۔ ..... واقعی جو سو روپے قرض لے۔ پھر اونکے بدلے چھ ہزار چار سو پیسے دینا چاہے۔ تو دائن کہیگا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکے سے زیادہ تانبا لادتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں۔ مگر ساتھ ہی دوانی چوانی اٹھنی سب نقض کو آموجود ہوتیں۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیجئے۔ تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی۔ اور جب ریزگاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے۔ اور ریزگاری اور روپے ایک جنس ہیں۔ تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھیرے کہ متحد کا متحد متحد ہے۔ بلکہ بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے۔ اسی کا عکس دیکھیے۔ ۱۴۰۰ پیسے قرض لیئے ہوں۔ اور ادا میں سو روپے دیئے۔ ابھی دیکھیے بلا عذر قبول ہونگے۔ اور نہ مانے۔ تو خبطی ٹھیرے۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ یہاں مبنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منوں بوجھ وغیرہ۔ رابعاً اگر ہم کچھ کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں۔ کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہونا فی اتحاد جنس ہے۔ تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں۔ ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو۔ تسلیم مبیع کے وقت ضرور متصور زید کو سو روپے کا نوٹ ڈاک میں بھیجنا ہے۔ کہ ۲۰ر کی رجسٹری بس ہوگی۔ اور منی آرڈر ایک روپے میں ہوگا۔ خصوصاً اگر گنگوہی دھرم کا ہوا۔ تو وہ تو منی آرڈر کو حرام ہی جانیگا۔ اوس نے عمرو سے نوٹ خریدا۔ عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس بیس کی پانچ اشرفیاں دکھلائے۔ زید ہرگز نہ مانیگا تو معلوم ہوا۔ کہ نوٹ اور ثمن ایک جنس نہیں ✦ قولہ پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے۔ گو عینیت خلقیہ نہیں۔ بلکہ عینیت عرفیہ ہو **اقول** اولاً اس

پس کا حل بھی وہی ہے۔ جو پیشتر گذرا۔ کہ قبول واتحاد جنس عام خاص من وجہ ہیں۔ تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل یوہیں عدم سے عدم پر آپ کا پہلا استدلال اوس طرز کا تھا۔ کہ کوا حیوان ہے۔ لہٰذا ابیض ہے یہ دوسرا اس رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں۔ لہٰذا حیوان نہیں۔ ثمانیاً آپ نے محنت بہت اٹھائی۔ مگر افسوس کہ جوئے بے دلیل ہی رہا۔ آپ کو چاہئے تھا۔ کہ اولاً ہیئتیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے۔ نہ ایسا جس پر اتنے نقض ہوں ثانیاً اوس مناط کا یہاں تحقق پائے ثبوت کو پہنچاتے۔ ثالثاً کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں ہیئتیت عرفیہ ہو۔ شرع اوسے اتحاد جنس ملا لیتی ہے۔ اور جب یہ کچھ نہیں تو خرط القتاد سے کیا حاصل؟ ثالثاً ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی۔ اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی۔ نرے اتحادِ جنس سے تو تفاضل حرام نہیں ہو جاتا۔ اتحادِ قدر بھی تو لازم ہے نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا۔ کہ نہ کیل ہے۔ نہ موزون۔ بلکہ معدود ہے۔ تو بہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہو جائے۔ تو اتحادِ قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا۔ تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔ رابعاً رسالہ نے صلہ سے صلہ تک دلیل قاہر سے ثبوت دیدیا کہ نوٹ روپوں کے عوض اودھار بیچنا جائز ہے۔ اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی۔ تو نسیہ حرام ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔ **قولہ** پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے

سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جائز ہو جائے۔ کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی۔ گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اوس میں صفتِ ثمنیت آگئی ہو۔ **اقول** اولاً یہ دوسری پس اوسی پسِ پیشین کی پیش پا دیدہ ہے۔ جسے پیشتر پسپا کر دیا گیا۔ الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ۔ ثمانیاً بعینہٖ یہی حال نوٹ کا ہے۔ **ولکن لا تعلمون** ثالثاً روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے؟ صلہ دیکھئے۔ ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا قطعاً درست ہے۔ حالانکہ وہ تو دونوں یقیناً جنس ثمن ہیں۔ حقیقۃً بھی۔ اور عرفاً بھی۔ مگر کہئے وہ جنس ثمن ضرور ہیں۔ مگر باہم تو متمائین نوعین ہیں۔ **اقول** یونہی نوٹ بھی۔ کون عاقل کہیگا۔ کہ روپیہ اور اشرفی تو دو چیزیں جدا ہیں۔ مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے۔ اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت میں دو جنسیں ہیں خلقی اصطلاحی۔ اصطلاحی کی نوعین

Marfat.com

نوٹ پیسے کوڑیاں اور خلقی پھر ایک جنس ہے جس کے دو جنسین ہیں سونا چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں۔ ظاہر ہے۔ کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے۔ اور سونے یا چاندی کے گہنے کی اور برتنوں کی اور گہنے پٹے کنبے کی اور تو نوٹ نوع حقیقی ہے جس کے سب افراد متفقۃ الاغراض ہیں کبھی جنس کا بھی عین نہیں ہو سکتا کہ اتفاق و اختلاف متبائین ہیں۔ نہ کہ جنس بالجنس کا اور دخول تحت الجنس کا حال اوپر گذرا۔

رابعاً۔ جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی۔ تو دو نوع متبائین سے تو متحد نہیں ہو سکتا۔ ورنہ متبائین باہم متحد ہو جائیں گے۔ اور شئے اپنے نفس کی مبائن ہو گی۔ ناچار ایک سے اتحاد مانیے گا۔ اور وہ نہیں۔ مگر نہ پیسہ۔ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کہہ رہے ہیں۔ تو اشرفی سے یقیناً متحد نہ ہو گا۔ اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے۔ اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام۔ دنیا میں اس سے بڑھکر بھی کوئی عجیب فتوے ہو گا۔ دیکھئے رسالہ ص۱۱۱ **قولہ** پس ہر گاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔

اقول اولاً اغراض کہئے۔ کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ کہ احکام شرعیہ۔ جو نہ اون کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ اون کے اکثر کو معلوم۔ نہ اون کی طرف اونہیں التفات۔ بلکہ اکثر کو اون پر ایمان بھی نہیں۔ تو احکام شرعیہ میں اہل عرف کا اوسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں۔ اور بقیہ کلام رد قول اول میں گذرا۔ ثانیاً جیسی عینیت آپ یہاں بتا سکتے ہیں یعینہا ویسی ہی اکنیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی سے ہے۔ وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔ ثالثاً روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں۔ کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔ ان میں کیوں ربوٰ ہوا۔

قولہ۔ باب تفاضل میں اسی بنا پر حکم دیا جائیگا۔ اور تفاضل اس میں حرام ہو گا۔ **اقول** اولاً یہاں آکر اس تیسری پس کا خاتمہ ہوا۔ اور پہلی دلیل نے دم توڑا۔ مگر یہ پس پس نہ تو سب پسہائے پیشینہ سے علاقہ بہ عقل میں پس اور وضوح بطلان میں پیش ہے۔ سب خرابیاں اوڑھکر فرض کر لیجئے۔ کہ ہاں تفاضل حرام ہوا۔ تو وہی تفاضل تو حرام ہو گا۔ جو ثمن خلقی میں حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا۔ یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی۔ اور نتیجہ دیتے وقت

Marfat.com

غیریت سے کایا پلٹ ہو کر کوئی نیا حکم نکالے گی۔ جو ثمن خلقی میں اصلاً نہیں۔ آخر اسی بنا پر تو حکم لگاتے تھے۔ کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے۔ تو وہی حکم لازم ہوگا۔ جو ثمن خلقی میں تھا۔ نہ اوس کا غیر کہ حکم لازم نئے ہوتا ہے۔ اور تغیر لازم نافی عینیت ملزوم۔ اب دیکھ لیجئے۔ کہ ثمن خلقی میں کونسا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو۔ اب جو آپ سو روپے کا نوٹ سو روپے کو بیچنا حلال کر رہے ہیں۔ اپنے طور پر یقیناً سود حلال کر رہے ہیں۔ کہ سو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا۔ دیکھئے رسالہ صفحہ ۱۰۹ تا صفحہ ۱۱۱ *

ثانیاً (۴۸ تا ۵۰) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گذریں۔ صفحہ ۳۳ تا صفحہ ۳۴ ملاحظہ ہو۔ **قولہ** فانما الاعمال بالنیات **اقول** جناب گرامی نے صفحہ بھر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا۔ کوئی حرف سند میں نہ لائے۔ اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یونہی من گھڑت پر گذر جائے۔ اصلاً سند کا نام نہ آئے۔ لہٰذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرما دی۔ اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت۔ تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں۔ مگر آخر حدیث صحیح ہے۔ اوس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں۔ اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو۔ اسی نیت سے ہم نے لکھ دی۔ وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ ما نوٰی۔ دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے۔ کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے۔ یہ کچھ تفاوت نہیں سمجھتے۔ اور جو جمیع احکام میں بلا تفاوت عین ہے۔ تفاضل میں بھی عین ہوگا۔ کہ یہ بھی ایک حکم ہے۔ لہٰذا نوٹ میں تفاضل حرام۔ اس میں کہنے کی تو واضح ہے۔ کہ محتاج استدلال نہیں۔ اور حدیث کا اوس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری غرقریزی ثبوت صغریٰ میں فرمائی ہے۔ جس کی خدمت گذاری گذری۔ کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں۔ مگر یہ فرمائیے۔ کہ حدیث اوس کا کیا ثبوت دیتی ہے۔ اعمال نیتوں پر ہیں۔ اور ہر شخص اور اوس کی نیت اس سے کیا نسبت ہوئی۔ کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے۔ ہاں یہ کہیئے۔ کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاغذ سیم و زر کو سیم و زر سمجھتے ہوئے نیت کر لی۔ کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے۔ تو اون کے حق میں عین ہو گیا کہ اعمال نیت پر ہیں۔ اور ہر شخص اور اوس کی نیت۔ **اقول** نوٹ کا جینہ سونا چاندی ہونا

Marfat.com

کوئی عمل نہیں۔ بیع وشراء وغیرہ معاملات عمل ہیں۔ اور نوٹ اون کا محل۔ اور محل تابع نیت نہیں ورنہ عنہ یہ کا مذہب لازم آئے۔ زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اوسے حرام ابدی کردے حالانکہ بنص قطعی قرآن اوسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی۔ صرف یہ قول باطل وگناہ ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ الذین یظھرون منکم من نسائھم ما ھن امھٰتھم ان امھاتھم الا الئی ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللہ لعفو غفور ۔ تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں۔ وہ اون کی ماں نہیں۔ اونکی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں۔ اور وہ بیشک ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ آور عکس کی نیت اور بھی شنیع و ناپاک تر ہے یہ نہی اگر بفرضِ غلط تسلیم کرلیا جائے۔ کہ اہلِ عرف نے نیت کرلی۔ کہ نوٹ بعینہ ثمن خلقی اور بجاتہ سونا چاندی ہے۔ تو اون کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہوجائے گا۔ نہ اصطلاحی سے خلقی اون کا اختیار اصطلاح تک ہے۔ تو اُس سے ثمنِ اصطلاحی ہوگا۔ نہ کہ خلق و آفرینش پر کہ ثمن خلقی ہوجائے۔ لا تبدیل لخلق اللہ۔ پھر فرمائیے۔ حدیث کو یہاں سے کیا علاقہ ہوا؟ قولہ وھٰذا لفرض ما نوی اقول۔ الحمد للہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے۔ آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کرلیں۔ کہ اہلِ عرف نے وضو کرکے نیت باندھ لی ہے۔ کہ نوٹ بعینہ سونا چاندی ہے۔ دوسرا اوس سے بڑھکر اشد باطل۔ یہ مان لیں۔ کہ دیدہ ودانستہ اونکی اس غلط نیت سے شرع نے بھی اون کے حق میں اوسے سونا چاندی کردیا۔ تیسرا سخت باطل یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اوسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے۔ نہ کہ مالیت میں۔ اس زبردستی کے سونے چاندی میں اوسے بالکل پلٹ دیا۔ کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے۔ نہ کہ وزن میں اب تو بالکل سب گھڑتیں آپ کی من مانتی مان لیں مگر الحمد للہ یہی حدیث بتا رہی ہے۔ کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید وعمرو باہم سو روپے کو بیچیں۔ مول لیں۔ خواہ ایک روپے کو سب حلال ہے جناب من جب یہاں تفاضل کا مبنیٰ مالیت پر ٹھیرا۔ اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے۔ آپ خود فرما چکے ہیں۔ کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں۔ تو اہل عرف ہی کی اصطلاح

Marfat.com

ونیت نے اوسے دس روپے کا کر دیا - اور اون کی اصطلاح ونیت ان دونوں عاقدوں پر
حاکم نہیں - انہیں اپنی جدا اصطلاح ونیت کا اختیار ہے - آپ خود حدیث نقل کرتے
ہیں - انکل امرئ ما نوٰی ہر شخص کے حق میں اوس کی اپنی نیت کا اعتبار ہے - نیز رسالہ
کا ص۵۵ و ص۵۶ و ص۶۷ و ص۶۹ ملاحظہ ہو - تو جب زید و عمرو نے اپنے معاملہ
میں اوس اختیار کی بنا پر جو شرع مطہر نے اون کو دیا - اصطلاح عام کی پیروی نہ کی - بلکہ اس
سے عدول کر کے جو عرف عام نے دس روپے کا ٹھیرایا تھا - سو روپے یا ایک ہی روپے کا
قرار دیا - اون پر اصلاً اس میں مواخذہ نہیں - نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہوا - کہ مالیت ہم
بنائے اصطلاح تھی - اون کے حق میں وہی مالیت ہے - جو اونہوں نے باہم قرار دے لی
اس لئے کہ انکل امرئ ما نوٰی ہر شخص اور اوس کی نیت - حدیث سے اچھا استدلال کرنے
چلے - کہ اور لینے کے دینے پڑ گئے (لطیفہ خجیلہ) یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب
نے گل سرسبد بنایا - اور آخر میں ھذا ما سنح لی فرمایا - یعنی یہ وہ ہے جو اچانک مجھے
خیال میں آیا - مولوی صاحب کی اپنی سعی بادو نہیں - بلکہ اسی فقیر بارگاہِ قدیر غفرلہ کے فتوٰے
سے اخذ کی ہے - تیس برس ہوئے - فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا - کہ نوٹ پر بٹہ لگانا مثلاً
سو کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے - یا نہیں ؟ فقیر نے نظر فقہی کا مقتضائے جواز بتایا
اور تنویر الابصار و عامۂ کتب سے اوس پر استدلال کیا - میرا یہ فتوٰے مولوی صاحب کے
یہاں پہنچا - جسے اونہوں نے اپنے مجموعہ فتاوٰے میں درج کیا - کہ اوس کی جلد دوم میں
فتوٰے حامی سنت جناب مولینا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالےٰ
علیہ کے ساتھ طبع ہوا - اور وہیں سے مجھے ملا - کہ اوس وقت تک مجھے اپنے فتاوٰے
جمع رکھنے کا التزام نہ تھا - اور اوسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتوٰے معلوم ہوا - جس
پر مجموعہ فتاوٰے مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے - اور میرا فتوٰے نمبر ۱۲۴ دونوں
میں حکم جواز ہے - پھر ایک چار سطری فتوٰے بعض علمائے مدراس کا نمبری ۱۲۵ ہے -
اوس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے - اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتوٰے
ہے جس میں اونہوں نے فتوائے فقیر کے بعض کلمات سے تعرض کیا - اور باقی کا کچھ جواب

نہ دیا۔ مَیں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کُتبِ فقہیہ میں اوس کا ذکر مصرح نہیں۔ مگر تمام کُتب کا ضابطۂ کُلیہ حکمِ جواز بتا رہا ہے۔ حکم لکھ کر اوہام کا جواب دیکر آخر میں ھٰذا ما ظھر لی واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم لکھا تھا۔ مولوی صاحب نے اِس بنا پر کہ میرے کلام کا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے۔ اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں ھٰذا ما سنح لی واللہ اعلم بالصواب لکھا۔ یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوے میں بنام وہم لکھ کر ردّ کر دی تھی۔ مولوی صاحب نے دلیل تو اوٹھا لی۔ اور ردّ کے جواب سے عُہدہ برآئی نہ کی۔ میرے فتوے میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا۔ مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہو گیا۔ لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گذرتا ہے۔ کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے۔ مگر عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے۔ اِس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے۔ لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا۔ غرض گا اوس کے ساتھ معاملۂ اثمان برتا جاتا ہے۔ تو گویا وہ سو روپے تھے۔ کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے۔ اور اس کی حرمت میں کچھ شبہ نہیں۔ تو صورتِ مستفسرہ میں حکم تحریم دینا چاہیئے۔ دیکھئے اِسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا۔ اور دلیل بنایا۔ جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اوسی کو صفحہ بھر میں پھیلایا۔ مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہو سکا۔ **اوّلاً** مولوی صاحب نے ثمن خلقی سے عینیت لی۔ جس کے تحت میں اجناس داخل۔ اور اوس کے سبب جو اعتراضات ہوئے۔ آپ نے سُنے۔ میں نے ابتدا ہی سے روپے کی تخصیص کی۔ کہ گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے۔ **ثانیاً** مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی۔ کہ بار بار فرمایا۔ عین سمجھا جاتا ہے۔ فرمایا عین ثمن خلقی ہے۔ اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے۔ ناظرین کے پیش نظر ہیں۔ فقیر نے اوہی کے انسداد کو لفظ گویا زاید کر دیا تھا۔ کہ گویا بعینہٖ روپیہ ہے۔ گویا وہ سو روپے تھے۔ **ثالثاً** مولوی صاحب نے اہلِ عُرف کے سر پہ تھوپا۔ کہ نوٹ کو جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ جس کا رد سن چکے۔ میں نے اسے اِن لفظوں میں ادا کیا تھا۔ کہ گویا اوس کے ساتھ معاملۂ اثمان برتا جاتا ہے۔ جس سے وہ اعتراض کہ بر بنائے لفظ احکام وارد ہے۔ وارد نہ ہوا ہاں

میں نے غیر فقیہ کے لئے بھی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نیٹ بیچنے میں اوسکی قیمت لینی مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ سو روپے بیچنا اور روپوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے۔ یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے۔ اسکے اعتبار سے اون کا ما سنح لی فرمانا بجا ہے۔ لکل ساقطۃ لاقطۃ۔ اب جواب کی طرف چلیئے۔ فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کرکے لکھا۔ مگر جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اوس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے صلا سے ملا تک گزریں بیان کرکے لکھا) نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا۔ کہ اصل خلقت میں سلع ہے۔ مگر بسبب تعارف ثمن ٹھیرا ہوا ہے۔ اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم وزر کے کچھ نہیں۔ لہٰذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں۔ تو ناچار اوس کی تقدیر اثمان خلقیہ ہی سے کرینگے۔ اسلئے پیسوں کی مالیت یہی بنائی جاتی ہے۔ کہ روپے کے سولہ آنے پس جب نوٹ کو عرفاً ثمن کرنا چاہا اوس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی۔ اور یوں ٹھیرایا گیا۔ کہ فلاں نوٹ سو روپے کا۔ فلاں دو سو۔ فلاں ہزار کا۔ مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے۔ اس سے اتحادِ جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازۂ فلوس سے چونسٹھ پیسے روپے کا عین نہ ہوگئے۔ یوں ہی اس قرار داد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہوجائیگا۔ پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں۔ باقی رہا عرف و اصطلاح اوسکا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت اونہوں نے ٹھیرادی ہے۔ یہ اوس سے کم و بیش نہ کرسکیں۔ یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں۔ چاہے سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں۔ یا ہزار اشرفی کو خرید لیں۔ صرف تراضی درکار ہے وبس۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ الخ۔ آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے تعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں۔ مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ کے بیچنا روا رکھا۔ اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے۔ لیکن فقہا نے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھیرایا۔ تو وجہ کیا ہے۔ وہی اختلاف جنس جس کے تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا۔ (پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا) جب یہانتک شرعاً جائز رہا۔ تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہوسکتا ہے۔ کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد الخ

یہ ہے بحمد اللہ تعالےٰ وہ نفیس منیر تقریر کہ بگاہِ اولین قلب فقیر پر فیضِ قدیر سے فائض ہوئی۔ تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

میرے بیان کا حاصل چند امر تھے (۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں (۲) اون میں قدر مشترک نہیں (۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اوسے ثمن اصطلاحی کریگا۔ نہ کہ خلقی (۴) روپوں سے اندازۂ قیمت نے اوسے روپے نہ کر دیا۔ ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے (۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں۔ وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں۔ (۶) علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا (۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی (۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی۔ کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔ مولوی صاحب نے اوّلاً یکم کے جواب کو وہی وہم سمجھا۔ جسے لفظ گویا اوڑا کر بالکل کھو یا۔ مگر دوم سے کچھ تعرض نہ کیا۔ یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقیہ فی الاجسام سمجھ لیے ہوں۔ یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا تو کر دیا۔ پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا۔ کہ شئے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہو سکتی۔ ثانیاً ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے۔ کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائینگے۔ کہ اور تمام مقاعد ثمن خلقی کے اوس کے ساتھ متعلق ہیں گے۔ اسی کو میں نے ان صحیح و مختصر الفاظ سے تعبیر کیا تھا کہ عموماً اوس کے ساتھ معاملۂ اثمان برتا جاتا ہے۔ میں نے امر سوم میں جو اوس کا رد کیا تھا۔ کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہوا نہ خلقی۔ اس کا جواب غائب ثالثاً۔ اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے۔ جسے بیگھوں میں پھیلایا۔ اور بات اوتنی ہی ہے۔ جو میں نے لکھی۔ کہ عین بین میں سَو کا نوٹ اور سَو روپے دینے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا۔ اور میں نے امر چہارم میں جو اوس کا رد کیا۔ کہ عرف نے اوسے ثمن بنایا۔ اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوگا۔ لہٰذا اس نوٹ کا اندازہ سَو سے کیا۔ اور سَو روپے کی جگہ کام آیا۔ جیسے سَولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا۔ اور روپے کی جگہ کام آئے۔ نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہو گئے۔ اس کا جواب غائب رابعاً۔ امر چہارم جو میں نے ایک تنظیم قاہر رد کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جو سب کچھ مسلم ٹھہرا کر بھی نہ

رکھے۔ جس کا بیان ابھی صفحہ ۱۴۳ میں گزرا۔ اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم و احادیث نبی کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم شاہد۔ اوسکا جواب غائب۔ خامساً۔ تیسری امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر دکھائے تھے۔ اون میں بھی امر ہشتم یعنی روپے اشرفی کی کمی مثال کا جواب غائب۔ اور ہفتم کے جواب کی خدمتگزاری سن چکے۔ اور ششم کا جو فقرہ دار جواب سب میں آخر دیا ہے۔ اوس کا لطف انشاء اللہ تعالےٰ عنقریب اوٹھائیے گا۔ غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا۔ اور تین کا جواب وہ دیا۔ کہ نہ دینا اوس سے ہزار جگہ بہتر تھا +

الحمد للہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ جملۂ اکابر فضلا کہ ائمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعا رکھیں۔ کہ قال ابوحنیفہ کذا والحق کذا۔ ابوحنیفہ نے یوں کہا۔ اور حق یوں ہے استدلوا لابی حنیفہ بوجوہ والکل باطل۔ ابوحنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے۔ اور سب باطل ہیں ھھنا وھم اخر لصاحب الکتاب۔ یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ) کا ایک اور وہم ہے۔ ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کے گدایان در کے غلامان غلام کی خاک پا کے زلہ ربایوں کے ادنےٰ خوشہ چین سے خلاف کریں۔ تو اپنے لئے دلیل اوسی سے سیکھ کر لکھیں۔ اور وہ بھی جس روش پر اوس نے ادا کی۔ ادا کر سکیں۔ پھر اوس نے جو اوس کے جواب دیئے۔ اون سے عہدہ برآ نہوں۔ اوس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں۔ اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں۔ طولانی تقریر تحریر فرمائیں۔ جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل کے گہرے رنگ میں رنگا ہو۔ ایک ایک لفظ ایک ایک حرف پر ھھنا وھم اخر کا دیرا پڑا ہو۔ یہ امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمۃ مالک الارمۃ تالی العلم من الثریا ابوحنیفہ اور اون کے چھوٹے بیٹے تمام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی کرامت نہیں۔ تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسر شان نہیں چاہتا۔ وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں۔ اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدار اپنے مولےٰ کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبیٰ للغرباء

کا بلا استحقاق محض اون کے فضل سے امیدوار بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرام کی کرامتِ عالیہ کا اظہار ہے سو بس۔ الٰہی تیری بیشمار رضائیں ابوحنیفہ پر۔ اور اون سب پر جو عقائد میں انکے موافق ہو کر اعمال میں اون کے مقلد ہیں۔ یوں ہی تبعیہ ائمہ مجتہدین کرام اور اون کے ایسے ہی مقلدوں پر تا روزِ قیام حبیبنا وشفیعنا افضل الصلوٰۃ والسلام

تنبیہ۔ اتنا ملحوظ رہے کہ میدان بحمد اللہ تعالےٰ ہمارے ہاتھ ہے۔ مقاصد کبث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں۔ اور بعض کہ بیان مولوی صاحب پر ہیں۔ اگر اہلِ تاویل تبدیل و تحویل کریں۔ تو بعد ورود اعتراض تسلیم اعتراض ہے۔ کاش! مولوی صاحب اس شبہ کا بیان ہم سے کر لیتے۔ تو بہت بادی چھنٹ جاتی۔ اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا۔ کہ رد میں ایک مختصر سا کلام ہوتا۔ اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہہ نہ جانا۔ مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی۔ کہ یہاں تک نوبت آئی۔ بہرحال ہمیں ہر طرح نفع ہے وللہ الحمد +

تسجیلِ جلیل[۱۸] چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جایئے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں۔ آپ کے فتاوے کی تیسری ہی جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کر کے اون کے جواب لکھے۔ اور اون میں دو جلد پیشین کے اغلاط کی جا بجا اصلاح کی۔ جیسا کہ ناظر پر مخفی نہیں۔ اوسی کے باب الربا کا پہلا سوال جواب دیکھیے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی ہے۔ اور دل ہی دل میں انصاف کر لیجیے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

سوال ربا چیست؟ جواب فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بدیگرے

در معاوضہ مالیہ بلاعوض۔ در بحر الرائق مے آرد ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع

فان فتح الاسراق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاستربا ح

وانما المراد فضل مخصوص وھو فضل مال بلاعوض فی معاوضۃ

مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الاخر بالمعیار الشرعی

ای الکیل والوزن انتھی۔ دیکھیے کیسی کھلی تصریح ہے۔ کہ ہر زیادت سود نہیں بازار کھلے ہی اس لیے ہیں کہ زیادت سے نفع ہاتھ لگے۔ بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو متحد الجنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں۔ کہ تول یا ناپ سے بکتی ہوں۔ ایک

دوسری سے خاص نوسی ماپ یا وزن میں زائد ہو۔ اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں۔ بیشک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے۔ شکر ہے کہ اس کے آپ بھی مقر ہوئے۔ اور والکل باطل نفرما دیا۔ مگر اس اقرار نے اوس تقریر کو والکل باطل بنا دیا۔ نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں۔ بچہ بھی جانیگا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہو سکتے۔ اور بفرض باطل مجانست سہی۔ تو نوٹ تول کر نہیں بکتا۔ اور اگر تول موجود ہو۔ تو سو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سود ہو۔ کہ سو روپے بلاشبہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں۔ اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں۔ تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کر دیا۔ تو مفر وہی ہے۔ کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں۔ یا تول نہیں۔ یا دونوں نہیں۔ بہرحال آپ ہی کے اقرار سے کھل گیا۔ کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچے۔ یہاں ربا آہی نہیں سکتا۔ کہ یہ اوس کی تعریف ہی میں داخل نہیں۔ وہو المقصود۔ **قولہ** اور اگر اس میں ربا حقیقۃً نہ ہو۔ تو شبہ ربا سے تو مفر نہیں۔ اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ شبہ ربا باعث حرمت ہے۔ **اقول** اولاً یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے۔ خود بھی سمجھے۔ کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی۔ لہٰذا شبہ کے ٹھیلے کی طرف جھکے۔ مگر کیوں مفر نہیں۔ اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے۔ شبہ متحقق ہوگا۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہ ربا کا مناط یہ ہے۔ جہاں یہ پایا جائے۔ شبہ متحقق ہوگا۔ ثانیاً ادھر اودھر خوب جھانک لینا تھا۔ کہ تصریحات ائمہ سے اسپر نقض تو نہیں پڑتا۔ کہ تنقیح کا تنقیہ کر دے۔ ظاہر ہے کہ نوٹ میں تحقق شبہ منصوص نہیں۔ کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے۔ اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں۔ ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منقد۔ بہت دلائل علمائے متاخرین شکر اللہ سعیہم نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں۔ اون میں کسی دلیل کا تزلزل حکم کا بطلان نہیں ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو۔ اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے۔ تو جب تک مناط کامل طور پر مضبوط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کر لیجئے۔ نرا زبانی قیاس محض وسواس۔ ثالثاً۔ اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق۔ اوس وقت آپ فرمانا ناقابل سماعت ہوتا۔ اور خالی دعوی تو پادر ہوا۔ ثانیاً اپنی جلد سوم باب الربا کا فتوے یاد کیجئے۔ کہ چھٹانک بھر گیہوں سوا سیر گیہوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا۔ یونہی ایک سیب دو

(ف) مولوی صاحب کا دوسرا پہلو

Marfat.com

سیب کو یہاں تو جنس یقیناً متحد تھی۔ اور زیادتی بداہۃً معلوم۔ یہاں شبہ ربا کیوں نہ جانا

آپ کی عبارت یہ ہے:۔ سوال۔ بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم

جائز است یا نہ۔ جواب۔ جائز است۔ چہ معیار شرعی نصف صاع است نہ کم۔ ازاں

پس در کم از نصف صاع تفاضل درست است۔ در عالمگیریہ می آرد یجوز بیع الحفنۃ

بالحفنتین والتفاحۃ بالتفاحتین وما دون نصف الصاع فی حکم الحفنۃ انتہی

ثالثاً رسالہ کے صـ۹۱ پر بحر الرائق کا ارشاد دیکھیے کہ ایک پیسہ شوپیسہ کو بیچنا جائز

یہاں بھی اتحادِ جنس قطعی اور زیادت بدیہی۔ پھر شبۂ ربا کیوں نہ ہوا۔ **رابعاً** آپ کو اگر کاغذ

اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو۔ تو اونہیں اہلِ عرف سے پوچھ دیکھیے جن پر آپ کے

خیال کا سارا مدار و دار و مدار ہے۔ کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے

یہ بیس کی۔ یہ پیسے اٹھنی کے ہیں۔ یہ چوانی کے۔ یہ نہیں کہتے۔ کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے

یہ پیسے اٹھنی چوانی ہیں۔ اسی طرح یوں کہتے ہیں۔ کہ یہ نوٹ دس کا ہے۔ یہ سو کا۔ یہ نہیں

کہتے۔ کہ یہ نوٹ دس روپے ہے۔ یہ سو روپے ہے۔ خود آپ نے فرمایا ہے۔ کہ نوٹ سو

روپے کا کوئی ہلاک کردے۔ اور فرمایا۔ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے۔ اور

فرمایا۔ نوٹ سو روپے کا دیوے۔ اتحاد جنس کا نشہ اس سے اوتار کر وہ مسائل پڑھیے

جو ائمہ کرام نے فرمائے۔ کہ (۱) ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سو اشرفیوں کو بیچنا جائز صـ۶۷

(۲) ایک پیسہ ایک روپے بلکہ ہزار روپوں کو بیچنا جائز صـ۹۰ و صـ۱۰۱ (۳) ایک

اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے۔ نہ شبۂ ربا صـ۱۰۰ ان میں شبہ ربا کیوں دکھا

خامساً۔ بتصریح ائمہ یہاں شبہ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت۔ تو یہاں

علت ہے۔ یا شبہ علت بہر حال لزوم حکم علت اور حکم علت تحریم تفاضل فی القدر ہے

تو سو کا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کر رہے ہیں۔ صراحۃً سود حلال کر رہے ہیں۔ **قولہ**

علاوہ ازیں جو بیع و شراء نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا۔ مقصود اوسکو بجز اس کے

کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہو جاویں۔ اور کچھ نہ ہوگا مگر بطور حیلہ کے

وہ نوٹ کا معاملہ کریگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں

ہو سکتا۔ **اقول** اولاً قصور معاف نو مستی از بادۂ شبانہ ہنوز۔ بعوض کم روپیہ کے کہنا

باطل ہے۔ نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے۔ روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد یہاں یوں

Marfat.com

کہیئے کہ کم روپوں کا مال دیکر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے۔ پھر اس میں کیا گناہ ہے۔ دُنیا بھر کی تجارتیں اسلیئے ہوتی ہیں۔ آپ خود جلد ۳ میں بحر الرائق سے نقل کر چکے ہیں۔ کہ مطلقاً زیادتی بالاجماع حرام نہیں۔ تمام جہان میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے۔ نفع حاصل ہو۔ **ثامناً** آپ کی علاوہ ازیں کہہ رہی ہے کہ اب ربا و شبہ ربا دونوں سے قطع نظر فرما کر یہ تیسرا پہلو لیا ہے۔ کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہے۔ ربا تو ربا اوس کا شبہ بھی نہ ہو۔ مگر اوس نے زیادہ ملنے کا حیلہ کیا ہے۔ اسلئے (زبردستی) حرام ہے۔ اب فرمائیے۔ اگر زید عمرو سے سَو روپے قرض مانگے۔ عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اوس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے۔ وہ قبول کرلے۔ پھر عمرو سَو روپے زید کو قرض دے۔ اور قرض کے بدلے سَو کے سَو ہی لے۔ پچیس اپنے اوس کاغذ کے جو لازم کرے۔ تو اس میں حرمت کدھر سے آئیگی؟ اسلئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس کو بیچا۔ تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں۔ کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے۔ پچیس کو کیوں حرام ہوا؟ یا اسلئے کہ اوس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا۔ تو وہ صورت بتلائیے۔ کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے۔ اور نفع لینا نہ ہو۔ یا اسلئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے۔ قرض میں تو وہ پورے سَو کے سَو لے رہا ہے۔ اوس پر نفع کہاں۔ یا اسلئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے۔ تو قرض تو اوسوقت تک دیا بھی نہیں۔ بسبب کہاں سے متحقق ہوا۔ یا اسلئے کہ اون کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے۔ تو اسکا ثبوت شرع سے دیجئے۔ کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونیوالا ہے۔ تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہو جائے۔ وہ بیع کہ بلا شبہ حلال تھی۔ حکم تحریم پائے۔ حالانکہ یہاں تو آئندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں۔ آئندہ غیب ہے۔ اور غیب مجہول۔ اور انسانی ارادہ ممکن التخلف۔ نکاح میں کہے۔ کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا۔ تو ناجائز و حرام۔ اور اگر نکاح کرے۔ اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو۔ تو بیشک حلال **ثالثاً** صـ۱۱۵ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ زرنجری و امام بکر خواہرزادہ بحر الرائق و ردالمحتار وغیرہا یاد کیجئے۔ کہ پہلے بیع کرکے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم امام ابو یوسف امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق

بلا کراہت جائز و حلال ہے۔ کہیئے یہ کیوں حلال ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اوس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا۔ **رابعًا** اپنی یاد کیجیئے جلد دوم فتوے نمبری ۴۴ میں حکم تھا۔ کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے۔ اوسپر سائل نے شبہ کیا تھا۔ کہ یہاں ربا نہیں تو شبہ تو ہے۔ اور شبہہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اوس کا آپ نے جواب فرمایا۔ کہ خدشہ ربا کا کیوں، فروخ ہی کہ گندہ وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم و دنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے۔ اور شبہ ربا۔ اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے۔ کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے۔ تو بھی درست ہے۔ ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھا دے۔ اور مشتری راضی ہو جاوے۔ تب بھی درست ہے۔ **اقول** یہ اب بھی تب بھی فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے۔ یا بلا قید۔ بر تقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲ر کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال۔ اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چہ آب از سر گذشت۔ چہ یک نیزہ چہ یک دست۔ بر تقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے۔ کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے کو بلکہ انصافًا ایک روپے کو بھی ہرگز خریدنے نہ بیٹھے گا۔ جب تک کوئی دباؤ نہ ہو۔ اور بیچنے والا ۲ر کا مال دیکر سو روپے لینے میں ضرور براہ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہیگا۔ پھر ربا و شبہ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں۔ مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔

خامسًا (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجیئے۔ جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے۔ اور رسالہ کے صفحہ ۷۸ سے صفحہ ۸۲ تک گذرے۔ یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔

سادسًا یہی چھ کیا ہزار حیل ہیں جنکی تصریحات جلیہ کلمات ائمہ میں مذکور۔ اگر ان کو جمع کیجیئے۔ تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہونگے سر دست علمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ ہو۔ کہ ساری کی ساری کتاب اسی میں ہے۔ **سابعًا** آپ خود اپنی ہی نہ کہیئے سنیدنا امام محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے موطا میں روایت فرمائی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خرما خرما برابر کرکے بیچو۔ اس پر عرض کی گئی۔ کہ یا رسول اللہ! خیبر پر حضور کے صوبہ تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ انہیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ کرو۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ! وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنیب کی ایک صاع بیچتی ہیں۔ یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی۔ رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بع الجمع بالدراھم واشتر بالدراھم جنیبًا۔ یہ قسم روپوں سے بیچکر وہ قسم روپوں سے خرید لے۔ اسپر آپ حاشیہ لکھتے ہیں۔ علمہ صورۃ لاتدخل فیہ الربا مع حصول المقصود۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اون کو وہ صورت سکھادی جس میں ربا نہ آنے پائے۔ اور مطلب حاصل ہو جائے جناب من اسی کا نام تو حیلۂ شرعیہ ہے۔ پھر اوس سے حکم حلت نہ ہو سکنا کیا معنی؟ کیا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وہ بات بتا رہے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو۔ حرام کا حرام رہے۔ والعیاذ باللہ تعالےٰ **ثامنًا** اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ابو سعید خدری و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی وہ حدیث روایت فرمائی۔ جو رسالہ کے ص۱۱۷ پر گذری۔ اوس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے۔ جس پر آپ نے خود حاشیہ لکھا۔ کہ اشار الیہ بما یجتنب بہ عن الربا مع حصول المقصود۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے اونہیں ایسی بات کا اشارہ فرمایا۔ جس سے ربا بچ جائے۔ اور مطلب ہاتھ آئے۔ سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کر کے فرمایا بھذا کلہ نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقھائنا۔ یہ سب باتیں ہماری مختار ہیں۔ اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ اور ہمارے سب فقہا رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا ہے۔ رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا۔ کہ حنفیہ وغیرہم نے اس سے جواز حیلہ پر استدلال کیا۔ اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے۔ **اقول** اولًا۔ یہاں کی کیا تخصیص ہے۔ سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے۔ بایں معنے کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائیگا ممنوع ہوگا۔ حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھے۔ تو وہ بھی حرام ہو ؎

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز　　کہ در چشمِ مردم گذاری دراز

ثانیًا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم تعلیم فرما رہے ہیں جس کا خود آپ نے اقرار کیا۔ تمام ائمہ مذہب اوس پر عمل فرما رہے ہیں۔ جس کا امام محمد نے اظہار کیا۔ اب یہ آپ کی الحق اگر اوس کے موافق ہے۔ چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔ اور اگر رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چنبی چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر عبارت ہے۔ تو وہ آپ ہی کو مبارک رہے۔ اہلِ حق کے نزدیک بجوے نیرزد۔ **ثالثًا** آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ

Marfat.com

کیا نیت ہو۔ تو حیلہ جائز۔ اور کیا ہو۔ تو ناجائز۔ اگر یہ مقصود کہ بیع میں مبادلۂ دراہم صرف بڑھنے نام ہو۔ نہ یہ قسم خرما دراہم سے بیچنی مقصود ہو۔ نہ وہ قسم دراہم سے خریدنی۔ بلکہ منظور اونہیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع ملجبۂ کے طور پر محض اسم فرضی۔ تو یہ ضرور صحیح ہے مگر امام اعظم و امام محمد و جملہ ائمہ مذہب نے معاذ اللہ اسے کب جائز کیا تھا۔ حضرت وہ تو حیلۂ شرعیہ کو جائز فرما رہے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی۔ یہ ناپاک حرکت حیلۂ شرعیہ ہی کب ہوئی۔ بلکہ قصداً شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکا دینا۔ پھر آپ نے مذہب جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی واہی الحق کی الگ چنائی کاہے پر مچینی۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپوں سے بیچکر وہ قسم روپوں سے خریدنی مقصود ہو۔ مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہو جائے۔ اسے ناجائز کہتے ہو۔ تو قصور معاف۔ یہ معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کو اصلاح دینی ہے۔ ابو حنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے۔ ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا۔ خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صکا پر گذرا۔ کہ جب تو مول لینا چاہے۔ تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنیئے۔ اپنی ہی دونوں جگہ لفظ دیکھیئے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ صورت سکھا دی جس میں ربا بچ جائے۔ اور مقصود حاصل ہو جائے۔ کہیئے۔ تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمایا۔ اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم و امام محمد و ائمہ مذہب کے رد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اوسکے استاذ ابن تیمیہ بد مذہب سے ذکر کی ہے۔ اوس کا ایک ایک حرف ہذیان یا مجنونات کی بڑ ہے۔ آپ خود اوس کے بعد اتنا لکھ گئے۔ کہ یہاں طویل بحثیں ہیں۔ کہ بسوط کتابوں میں ملیں گی۔ جس سے آپ کو اس کہنے کی گنجائش رہی۔ کہ میں نے اوس نقل کو مقبول نہ رکھا۔ لہٰذا ہم بھی اوس کے رد سے تطویل نہ کریں۔ کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔ **تاسعاً** جانے دیجیئے۔ آپ گول ہی رہیں۔ اور نیت کا پردہ نہ کھولیں۔ اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہوا۔ کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے۔ جناب من پھر یہاں یہ مطلق جبر و نفی حکم کیسا۔ کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت نہیں ہو سکتا۔ **قولہ** ۔ تہذیب الایمان میں ہے **اقول** ۔ مولوی صاحب

Marfat.com

عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اوتنے اعلےٰ پائے پر ہو۔ کہ ائمۂ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے۔ اون کا حق و باطل نکالے۔ وہ اور مسائلِ شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا گرے۔ کہ مجاہیل و بیقدر و بیوقعت زید عمرو سب سے استناد کرے۔ کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں۔ کہیں رسالہ اسلمی سے۔ کہیں اور لوتر کر اربعین میاں اسحٰق دہلوی سے۔ کہیں اور گھٹ کر اونکے کسی شاگرد کی خمدۃ التحریر سے۔ کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے۔ اونہیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی جسپر بعض اصحاب نے کہا۔ کہ آجتک تہذیب المنطق۔ تہذیب الکلام۔ تہذیب الاخلاق۔ تہذیب الآثار۔ تہذیب النحو سنی تھی۔ معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سوجھی۔ کہ اوسکی تہذیب لکھی۔ آپ استناد کرتے وقت جب الیوں کی تقلید تک اوتر آتے ہیں۔ تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولینا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کا فتوےٰ آپ کے سامنے تھا۔ اور وہ آپ کے ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلےٰ و اعلم و افضل و اکمل تھے۔ کاش اس میں اون کی تقلید فرا لیتے۔ تو جھگڑا چکتا۔ **قولہ** انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیہ غیر ما شرعہا اللہ لہ فیصیر مخادعا للدین کما فی الشرعہ **اقول** یہ تو بالکل ہمارے موافق ہے۔ وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اوسکا مقصود شرعی مراد نہ ہو۔ یہ وہی صورت ہوئی۔ کہ بیع میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے۔ اس کی حرمت میں کیا کلام ہے۔ اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلہ بلک کا قصد کیا۔ تو یہی وہ مقصود شرعی ہے۔ جس کے لئے شرع نے اوسے مشروع فرمایا تو خود آپ کی اسی سند کی رُو سے اوس کی حرمت ناممکن۔ پھر نوٹ میں تو اوس کو کچھ دخل ہی نہیں۔ نوٹ بیچنے خریدنے والے یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی بلک سے نوٹ خارج ہوکر مشتری کی بلک میں آئے۔ اور مشتری کی بلک سے روپے خارج ہوکر بائع کی بلک میں آئیں۔ شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے۔ تو اسی عبارت کے محکم سے اوسکی حلت واجب۔ اگر کہیے مراد یہ ہے کہ اوس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہے۔ مگر روپے دیکر زیادہ روپے لیتا۔ تو سود ہوتا۔ اس لئے نوٹ بیچکر روپے لئے کہ جنس [illegible] جانیسے رہا جاتا ہے۔ **اقول** تو کیا گناہ کیا۔ اوس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا

Marfat.com

گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو۔ تو مفر کدھر۔ شرع نے بیع اسلیئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیاتِ شرعیہ سے بچکر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کرلو۔ وُہی اوس نے چاہا۔ تو مقصدِ شرعی کی پابندی کی۔ نہ کہ مخالفت۔ پھر حُرمت کدھر سے آئی۔ **قولہ** فان مقصودہ حصول الذی حرّم اللہ بتلک الحیلۃ او اسقاط ما اوجبہ انتہٰی **اقول** ۹۶ **اولا** حرام سے مراد لازم الحُرمۃ ہے جس سے حرمت کبھی جُدا نہ ہو۔ یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے۔ بر تقدیر اوّل اوسی لازم الحُرمۃ کو اختیار کریگا۔ یا اوس سے کسی امر جائز کی طرف عدول و فرار۔ پہلی صورت پر حیلہ ہی کب ہؤا۔ صراحۃً حرام میں پڑنا ہؤا۔ پھر اوس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی۔ اور دُوسری صُورت میں شاید حُرمت اسوجہ سے ہوگی۔ کہ حرام سے کیوں بچا۔ جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ بر تقدیر ثانی شکل وہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ عارض منفک منفک ہوجاوے۔ اور شئے حلال محض رہ جائے۔ یا وہ کہ عارض حُرمت باقی رہے۔ صُورتِ ثانیہ پھر حیلہ نہیں۔ اور اُولے پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔ **ثانیاً** ۹۷ دُور کیوں جائیے خود اپنی سُنیئے۔ شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بہ نجاست غلیظہ ہے۔ مُسلمان کو اوسکا بیچنا حرام چھونا حرام۔ اوس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام۔ اب فرض کیجئے کہ ایک مُسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی۔ مثلاً یوں کہ اوّل نصرانی تھا۔ اب مُسلمان ہوگیا۔ وہ نہیں چاہتا۔ کہ اتنا مال کثیر ضائع جائے۔ اوس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کرلیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ یہ جائز و روا ہے۔ اپنے رسالہ نفع المفتی میں دیکھیئے۔ الانتفاع بالمحرم لا یجوز کذا قال البرجندی فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانہ ینتفع بھا فی الایقاد قلت الانتفاع بالنجس بالاستھلاک جائز کاراقۃ الخمر وتخلیل الخمر وھذا کذلک فیجوز اھ باختصار دیکھیئے اوس نے یہاں حرام خدا کو کام ہی میں لانا چاہا۔ مگر یوں کہ حرام نہ رہا۔ پھر اس میں کیا حرج ہؤا۔

قولہ ف۔ پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو۔ لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا۔ **اقول** ۹۸ عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے۔ اور شرع مطہر سے یقیناً معلوم ہو۔ کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اوسپر لازم نہیں۔ وہ سَو کے نوٹ کو روپوں سے کم و بیش پر بیچے۔ تو عند اللہ کسی طرح درست نہ ہو۔ اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے۔ اور اُسے بعینہ چاندی سمجھے۔ وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی سیر پکی چاندی کو بیچے۔ اور سود نہو۔ حلال

(ف) مولوی صاحب کی سب میں کچھلی کروٹ

Marfat.com

طیّب رہے۔ اس زبردستی کی کوئی حد ہے۔ خیر یہ تو پہلے معروض ہو چکا۔ مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اب مولوی صاحب ربا و شبہۂ ربا سے قطعی گذر گئے۔ علاوہ ازیں کہکر تو اون کے لحاظ ہی سے گزرے تھے۔ اب یہ صُورت لیتے ہیں۔ کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہۂ ربا ہو۔ ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا۔ اور اس سے ظاہر کہ حکم عینیّت کا تسمہ لگا نہ رکھا۔ ورنہ ربا یا شبہۂ ربا ہو کر دیانۃً قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا۔ تو عینیّت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمّیٰ و لفظ بیمعنی ہوگا۔ کہ اوسکا حکم و اثر شرعی منتفی ہے۔ اور جب ایسا ہے۔ تو حقیقۃً و شرعاً غیریت محض رہی۔ اب خود ہی حاصل اوسی قدر ٹھیرا دیا۔ کہ کم روپوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا۔ کہیئے۔ اس میں کونسا خلاف دیانت ہے۔ **قولہ** اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینہ اور شرا باقل مما باع وغیر ذلک کی ممانعت مذکور ہے ✦ **اقول** اولاً۔ الحمد للہ! اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں۔ جی ہاں۔ یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھیرایا ہے۔ کیا ممنوع ناجائز حرام مکروہ تحریمی حاشا ہرگز نہیں۔ یہ محض غلط و باطل ہے۔ بلکہ جائز حلال روا درست۔ غایت درجہ اِس میں اختلاف ہُوا۔ کہ خلاف اولے بھی ہے۔ یا نہیں۔ ہمارے امام اعظم بلا کراہت مباح مانتے ہیں۔ امام ابُو یُوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں۔ امام محمد احتیاط کے لئے صرف خلاف اولےٰ ٹھیراتے ہیں۔ یہ تمام مباحث رسالہ میں ص۷۹ و ص۸۰ و ص۸۳ تا ص۸۴ و ص۹۱ و ص۹۴ بلکہ ص۹۷ تا ص۱۰۰ میں گذرے۔ اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اوٹھیئے۔ کہ سَو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح۔ امام ابُو یُوسف کے نزدیک اجر و ثواب۔ امام محمد کے نزدیک صرف خلاف اولے **ثانیاً**۔ وہ خلاف اولے بھی اسلیے تھا۔ کہ اوسوقت تک مُسلمان سود کو سُود سمجھتے تھے۔ اوس کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ تو اِس امرِ جائز کی عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا۔ کہ مبادا آگے بڑھ جائیں۔ جیسا کہ اس کا بیان ص۷۶ و ص۷۸ وغیرہما پر گذرا۔ اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ جیتا نگلتے ہیں۔ اور شرما نا درکنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے۔ تو اونہیں ایک جائز بات بتانا جس سے اون کا مقصود حاصل ہو۔ اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے

Marfat.com

اور اسمیں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی صریح بدخواہی. ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ **ثالثاً** شراء ما باع باقل ممتا بلع عند التحقیق ربح مالم یضمن کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اوسپر نفع لینا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا نہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے۔ ہلاک ہو جائے۔ تو اوسکی جائے مشتری پر اوسکا اثر نہ ہو۔ و لہٰذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں کما فی التدار وغیرہ۔ حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں۔ کما فی جمیع الکتب۔ ہاں ثمن اول و ثانی ایک ہی جنس ہو۔ تو شبہۂ ربا بھی ہے بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی۔ یوں کہ اس نے ہزار کو چیز بیچی۔ اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے۔ اب کہ خود اس نے پانسو کو خرید لی۔ احتمالِ سقوط ساقط ہو گیا۔ تو اُس نے پانسو دیکر اپنے وہ ہزار پکے کر لیے۔ یوں شبہۂ ربا آیا۔ بہر حال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ۔ آپ خواہی نخواہی اسیوجہ سے کہہ رہے ہیں۔

ہدایہ میں ہے من اشتری جاریۃ بالف درھم حالۃ او نسیئۃ فقبضھا ثم باعھا من البائع بخمسمائۃ قبل ان ینقد الثمن الاول لا یجوز البیع الثانی لان الثمن لم یدخل فی ضمانہ فاذا وصل الیہ المبیع و وقعت المقاصۃ بقی لہ فضل خمسمائۃ وذلک بلا عوض فتح القدیر میں ہے۔ الذی عقل من معنی النھی انہ استربح مالیس فی ضمانہ ونھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن ربح مالم یضمن وھذا لان الثمن لا یدخل فی ضمانہ قبل القبض۔ اوسی میں ہے۔ وھذا احسن من تقریر قاضی خاں اعتبار الشبھۃ بان الالف وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بھا عیبا فیردہ فیسقط الثمن عن المشتری وبالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ انتھی **رابعاً** وجہ محقق سے گذر کر دوسری ہی وجہ لیجیے۔ اور یہاں اوس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر کیجیے جب بھی آپ کو مفید نہیں۔ کہ اس وجہ پر علتِ حرمت شبہۂ ربا ہے۔ اور آپ ربا و شبہۂ ربا سے اُتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں۔ تو جہاں شبہۂ ربا ہے اوس سے اسپر استناد کیونکر کر سکتے ہیں۔ **خامساً** آپ اسی وجہ سے کہکر دونوں مسئلوں

Marfat.com

میں علت حکم ایک بتا رہے ہیں۔ تو واجب تھا۔ کہ حکم بھی ایک ہوتا۔ کیا شراء ما باع باقل مما باع بھی صرف دیانۃً حرام ہے۔ تقضاءً جائز فافھم **سادساً** آپ نے سنا ہو کہ یہ شراء بہ اقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلا شبہ جائز ہے۔ مثلاً ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی۔ عمرو نے روپے ادا کر دیئے۔ پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانسو کو خرید لی۔ کہ چیز کی چیز پاس آگئی۔ اور پانسو مفت بچ رہے۔ یہ جائز و حلال

ہے۔ درمختار میں ہے۔ فسد شراء ما باع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد اھ ملتقطاً۔ آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہو گیا۔ کم روپے دیکر زیادہ حاصل کرنیکا مقصود بہر حال موجود۔ مولوی صاحب اشکال یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بیخبر ہیں۔ ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔ **قولہ** اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں۔ جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔ **اقول** اولاً احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔ دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صـ۱۱۷ میں گذریں۔ اور ایک حدیث موطا یہاں مذکور ہوئی۔ **ثانیاً** خود آیۂ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صـ۱۱۶ پر تلاوت ہوئی۔ فتاوٰی ذخیرہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:۔

الاصل فی جواز ھذا النوع من الحیل قول اللہ تعالیٰ وَخُذ بیدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث وھذا تعلیم المخرج لایوب النبی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام عن یمینه التی حلف لیضربن امراته مائة عود وعامة المشائخ علی ان حکمھا لیس بمنسوخ وھو الصحیح من المذھب۔ اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے۔ کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لیکر مار دو۔ اور قسم نہ توڑو۔ حضرت ایوب نبی اللہ علےٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھالی تھی۔ کہ سو لکڑیاں ماریں گے۔ یہ اللہ عزوجل نے اس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرما دیا۔ (کہ قسم بھی پوری ہو جائے۔ اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور عام مشائخ کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں۔ اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے۔ **قولہ**

اگر یہ شبہہ ہو۔ کہ نوٹ ہر گاہ ثمن خلقی نہیں ہیں۔ پس حکم اس کا بعینہٖ کیونکر ہو سکتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے۔ لاجرم باب تفاضل میں اسی کا اعتبار ہو گا۔ لاسیما دیانۃً

فانھا متعلقۃ بالمقاصد وان کانت خفیۃ **اقول اوّلاً** - یہ ہرگاہ اور چونکہ سرگاہ میں
میں گذر چکیں - اگر پہلا بیان صحیح تھا تو یہ شبہہ وہیں دفع ہو چکا - پھر اگر یہ شبہہ ہو کا محل کیا - اور
غلط تھا - تو اب بھی تو وہی جواب دیا ہے - اب کیوں صحیح ہو گیا - بات وہی ہے - کہ لے دیکر ایک
شبہہ آپ کے ہاتھ میں ہی - بار بار تکرار اوسکا اعادہ فرماتے ہیں - کہ بعضے نہ سہی - عبارت تو وزنی
ہو جائے - ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے جس کا صاف ابطال اوپر گذرا - اور
کشف شبہہ بھی بروجہ اتم کر دیا گیا - اور یہ بھی سمجھا دیا گیا - کہ بہت اچھا باب تفاضل میں
اوسی کا اختیار کیجئے - تو تفاضل فی القدر حرام مانیے - اور خود اپنی ذات گرامی کو سود حلال کر بیٹھا لی
جانیے - مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سنتے ہی نہیں - **ثانیاً** - ہاں ایک لاسیما
یہاں اور بڑھائی ہے - یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں - اور دیانت میں نظر
مقاصد ہی پر ہے اگرچہ خفی ہوں - نہ صورت پر - تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت نہ دیکھا جائیگا
مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں - اسپر نظر ہوگی - اور حرمت لازم - **اقول** - بجا ہے - پھر ایک اشرفی
کو ایک روپیہ کیسے حلال ہو گیا - وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں - اور
مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا - **ثالثاً** - ہاں کر دوں
آپ مقاصد شرعیہ واغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے - مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت وفساد
وحلت وحرمت کا مدار ہے - اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ اون کے نزدیک اونہیں حاصل
ہوں - مقاصد باختلاف عقود مختلف ہو جاتے ہیں - اور نتائج بارہا عقود متبائنہ میں متحد
رہتے ہیں - مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلا تقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ
کر کے اپنا قبضہ اوٹھا لے - کہ سارا مکان قبض وتصرف شریک میں رہے - یا اوس کے
ہاتھ بیچکر ثمن اوس کو معاف کر دے - دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے - انسانی غرض اون میں
فرق نہیں کرتی - مگر مقصد شرعی کا اتنا اختلاف شدید ہے - کہ پہلی صورت فاسد وحرام - اور
دوسری صحیح وحلال - یکجا نہی اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے - اب دس روپوں کو
خواہ پندرہ روپوں کے عوض بیچے - خواہ ایک ساورن کے بدلے اوسکی غرض دونوں
طرح بلا تفاوت حاصل ہے - مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں - کہ صورت اوّلے
سود ربا گناہ کبیرہ حرام قطعی موجب دخول نار - اور دوسری شکل درست صحیح حلال روا
بے اعتراض بلا انکار - نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلا تفاوت متعلق ہوں

Marfat.com

تو اس سے احکام و مقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے۔ احسان تو نہ مانیے گا کہ گیسے کیسے جواہر زواہر میرا قلم جناب کے قلب پر افگار تلہے۔ انصاف کیجیے۔ تو ایک ہی نکتہ آپ کی ساری عزقریزی کا علاج کافی و وافی ہے۔ وللہ الحمد۔ رابعاً[۱۱۱] ایک ذرا اور بھی انصاف کی سہی۔ آپ تو کمال مقاصد شناس دیانت پرور ہیں۔ اسی جلدِ دوم کے فتوٰے نمبری ۹۷ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے:۔ خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے۔ تو پوری قیمت معینہ دے۔ اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے۔ تو فی سینکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اوس قیمت معینہ سے دینا ہوگا۔ یہ فی الحقیقۃ بیان ہے نرخ مال کا یعنی نقد خریدے۔ تو مثلاً سَو روپے قیمت دے۔ اور بعد ایک یا دو ماہ یا سہ ماہ کے ادا کرے۔ تو قیمت ایک سو تین یا چھ یا نو دے۔ پس یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے۔ اور زیادت ثمن کی فی سینکڑا تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے۔ تو بائع کو اختیار ہے۔ چاہے لے۔ چاہے علی المیعاد لے۔ اسواسطے کہ رجوع اوس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا۔ اور ان دونوں میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ صح الجواب واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ۔ فرمائیے تو یہ تین روپیہ سینکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سود کے کیا ہے۔ خصوصاً وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے۔ اور سود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں۔ دونوں پر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کر دیا۔ اور بلا دغدغہ صح الجواب جڑ دیا۔ پھر[۱۱۲] ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے۔ کہ اگرچہ قرضوں بیچنے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے۔ والاجل یقابلہ قسط من الثمن۔ مگر ایک بات قطع ہونا لازم اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی۔ اور بصورت فلاں میعاد اتنے پر یہ حرام و فاسد ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔ لا بد ان یکون الاجل معلوماً لان جھالتہ تفضی الی المنازعۃ فی التسلم والتسلیم وعلی کل ذلک انعقد الاجماع واما البطلان فیھا اذا قال بعتکہ بالف حالا وبالفین الی سنۃ فلم یعلم الثمن۔ پھر[۱۱۳] اس سے بھی قطع نظر ہو۔ تو خود اجل میں تردید ہے۔ یہ خود مفسد ہے

اگرچہ نقد و اجل کی تردید نہ ہو۔ اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں۔ یہاں تو تین ہیں۔ کہ ایک مہینہ میں دے۔ تو یہ قیمت اور دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوٰے خلاصہ و فتاوٰے علمگیریہ میں ہے۔ رجل باع علی انه بالنقد بکذا و بالنسیئة بکذا او الی شهر بکذا و الی شهرین بکذا لم یجز عجب کہ آپ نے اس حرام در حرام طرح طرح کے حرام کو کیسے حلال کر دیا۔ پھر[۱۱۳] بین المیعاد ثمن قبول کر لینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے۔ کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھیرا تھا۔ اوس نے کم کیا کیا۔ پھر[۱۱۴] اگر مشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے جب تک پوری میعاد گذر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے۔ میعاد تو خالص حق مشتری ہے۔ کتب ائمہ میں تصریح ہے۔ کہ مدیون میعاد سے پہلے دین ادا کرے۔ تو دائن کو جبراً قبول کرنا ہوگا۔ اشباہ میں ہے۔ الدین المؤجل اذا قضاه قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلمه لان الاجل حق المدیون فله ان یسقطه هکذا ذکر الزیلعی فی الکفالة وهی ایضاً فی الخانیة والنهایة۔ خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے۔ اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کہیئے۔ ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے۔ مگر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پر کھنے کا ادعا رکھتے۔ اوس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کیسا سخت نمونہ قیامت ہے۔ ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ اس کی نظیر ہی ہو سکتی ہے۔ کہ مولوی عالم علی صاحب مرادآبادی نے براہ خطاء صریح دودھ کے چچا کو بھتیجی حلال لکھ دی۔ خیر وہ تو لکھ گئے۔ اب فتوٰے پہنچا دہلی۔ امام غیر مقلداں مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھکر اوس پر مہر چپکا دی۔ اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوا دیں۔ فتوٰی یہاں آیا۔ فقیر نے تحریم کا حکم دیا۔ اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پرسی کی۔ اب غیر مقلدوں کے کل فی الکل کی آنکھیں کھلیں۔ سوتے سے جاگے محدث جی کو بخاری مسلم کی حدیثیں سوجھائے سے سوجھیں۔ اور دوسرا فتوٰے حرمت پر لکھا۔ اور پہلے فتوے کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا۔ کہ قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کہ در حلت آں نوشتہ بودند۔ بر اعتماد ایشاں بنظر سرسری مہر من کردہ شد۔ حلال و حرام خصوصاً معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت

Marfat.com

جرأت وبیباکی کا کھلا اقرار ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النارِ۔ خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے۔ مگر براعتمادِ ایشاں نے اون کے اجتہاد کی جان پر پوری قیامت توڑ دی۔ اے سبحٰن اللہ! مجتہدی کا دعویٰ۔ اور ایک ادنےٰ سے ادنےٰ مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا۔ اور اس کردہ شد کے لطف کو تو دیکھیے۔ کیا شرمایا ہوا صیغہ مجہول ہے۔ گویا انہوں نے خود اوسپر مُہر نہ کی۔ کوئی اور کر گیا۔ اللہ تعالےٰ یوں اپنی نشانیاں دکھاتا۔ اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے۔ نسألُ اللہَ العفوَ والعافیۃَ **قولہ**۔ باقی رہا قول فتح القدیر کا لو باع کاغذۃ بالف یجوز انتہٰی **اقول** انتہٰی نہیں۔ اس کے بعد ولا یکرہ بھی ہے اور خود میرا فتوٰی آپ کے پیش نظر ہے۔ اوس میں بھی منقول یعنی کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلاً کراہت بھی نہیں۔ اسے پردہ انتہٰی میں نہ چھپائیے یہ بہت کام کی چیز ہے۔ آپ کو یہ لایکرہ کردہ لگتا تھا۔ تو محققی کی شان یہ تھی۔ کہ اوسے نقل کرکے رد فرماتے۔ آخر امام ابن الہمام اور اون کے ساتھ کے علمائے کرام جنہوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی۔ امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے۔ یہ نہو سکا تھا۔ اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا۔ تو الیٰ آخرہ لکھدیا ہوتا۔ یہ بھی نہ سہی یجوز تک نقل کرکے یونہی چھوڑ دیا ہوتا۔ کہ اخفائے مظاہر کا الزام تو نہ آتا۔ انتہٰی نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی۔ یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔ **قولہ** پس مراد اوسکی یہ کاغذ نہیں کہ تین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ کیونکہ اسکا وجود اون زمانوں میں نہ تھا۔ بلکہ سادہ کاغذ۔ **اقول** اوّلاً عینیت تو بارہا گھر تک پہنچا دی گئی۔ اوس کی آڑ تو چھوڑیئے۔ اور اب فرمایئے کہ نوٹ اور اوس پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے۔ سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے۔ مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ وہندسہ لکھدیا۔ وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہو جائے۔ بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا۔ کہ چھپتے ہی نوسو پچانوے اُڑ گئے۔ **ثانیاً** عینیت کے جو قاہر رد رد ہوئے۔ اونہیں جانے دیجیے۔ تو آپ خود اپنے تنزلِ اخیر میں اوس سے یکسر گذر چکے ہیں۔ مہربانی فرماکر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سُنا دیجیے۔ جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا ہے اور کیسا کاغذ ناجائز ہے۔ ذرا بتائیے تو **ثالثاً**۔ صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی، اور جیسے نوٹ

اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے۔ یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے۔ اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو۔ تو صرف اس بنا پر اوسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے۔ ہزارہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور تا قیامت ہوتے رہینگے۔ اون کے احکام اطلاقات ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ چیزیں اوس زمانہ کب تھیں۔ لہٰذا یہ اونکی مراد وزیر حکم نہیں

رابعاً[119]۔ سنیئے۔ تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ بیچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا۔ بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا۔ اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں۔ یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا۔ یہاں کونسے روپے لائیے گا جن کا بیچنا مقصود بنائیے گا۔ ایک محقق عالم کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے۔ نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں نسی ما قدمت یداہ خامساً[120]۔ جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا۔ کہ امام ابن الہمام نے یہ یجوز ولا یکرہ بلا کراہت جائز ہے۔ کس بحث میں فرمایا ہے۔ بیع عینہ کی بحث میں۔ اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی۔ یہ تو پانچ ہی سطر میں نسی ما قدمت یداہ ہو گیا۔ کیا اسی دن کیلئے جناب نے لا یکرہ چھوڑ انتہیٰ لکھدی تھی۔ اب تو کہہ دیجئے۔ کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں۔ آپ کی اسی انتہیٰ پر انتہا کردوں۔ کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہ تعالےٰ ایک سو بیس[120] تک تو پہنچ گیا۔ وللہ الحمد۔ **قولہ** ھذا ما سنح لی **اقول** ای من دون دلیل وما یلی لا خفی ولا جلی **قولہ** واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب **اقول** ھو المصوب سے یہاں تک فتوے بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے۔ اور اوسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ اور اوسی ام الکتاب یہ پاک خطاب ہے جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز بے حجاب ہے۔ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ اللھم ربنا ارض عنا بکرمک ومنک ورأفۃ حبیبک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ووفقنا لتجارۃ لن تبور یا عزیز یا غفور آمین والحمد للہ رب العلمین۔ وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ آمین۔ سبحٰنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون۔ وسلم علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔ الحمد للہ کلام اپنے منتہے کو پہنچا۔ اور تحقیق مسئلہ ذروہ اعلےٰ

Marfat.com

کو تیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا - اور مسئلہ بالکل حادث تازہ - اور اپنی بے بضاعتی کا خوف واندیشہ لہٰذا آغاز جواب ان لفظوں سے کیا :- ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گذرا - فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا - کہ اون کے کلام میں اسکا جزئیہ بالتصریح پایا جائے - مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے - اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی - اور انتہا ان لفظوں پر کہ ھذا ما ظھر لی واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم - پھر بفضلِ رب قدیر عز جلالہٗ برابر اوس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے :-

مؤید اوّل محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولینا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام - اور اون کے استاذ مولینا حامد احمد محمد جدادی داما بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا - جس کے جواب میں بفضلِ وہاب عز جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ وہیں لکھدیا - پہلا فتوے ایک خفیف ساعت کی نظر تھا - یہ رسالہ بفضلہٖ تعالےٰ پہر دن کا خوض کامل - جہاں تک غور کیا - وہی رنگ کھلتا گیا - اور کوئی شک سدِ راہ نہ ہوا - یہ نظرِ اولین کا پہلا مؤید تھا - **مؤید دوم** اس سے پہلے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب چھپکر زیرِ نظر آچکا تھا - رسالہ میں اوسپر بھی خوض تام کیا - اور نظرِ انصاف نے وہی حکم صاف دیا - یہ دوسرا مؤید اقوٰی ہوا - کہ ایک ذکی طباع عالم کی دلیلِ خلاف آگے رکھکر تنقیح کامل کی - اور اوسکی بے اثری ظاہر ہوئی - **مؤید سوم** مکہ معظمہ کے اجلہ علمائے کرام ومفتیانِ عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا - پڑھوا کر سنا - اوسکی نقلیں لیں - اور بحمداللہ تعالےٰ سب نے یکزبان مدحیں کیں - جیسے حضرت شیخ الائمہ والخطباء کبیر العلا مولینا احمد ابوالخیر مرداد حنفی - حضرت عالم العلماء مفتی سابق وقاضی حال علامہ مولینا شیخ صالح کمال حنفی - حضرت مولینا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمٰعیل خلیل حنفی - حضرت مولینا مفتی حنفیہ عبداللہ صدیق حفظہم اللہ تعالےٰ - ان فاضل جلیل نے کہ اوس وقت یہی جانب سلطانی سے افتائے مذہب حنفی کے عہدہ جلیلہ پر ممتاز تھے - کتب خانہ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا دیکھ کر بطورِ خود مطالعہ فرمانا شروع کیا - فقیر بھی حاضر تھا - مگر اون سے کوئی تعارف نہ تھا - نہ اس سے پہلے میں نے اون کو - نہ اونہوں نے مجھ کو دیکھا حضرت مولینا سید اسمٰعیل آفندی اور اون کے بھائی سید مصطفےٰ آفندی وغیرہما بھی

Marfat.com

تشریف فرما تھے۔ حضرت مفتی حنفیہ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا این کان الشیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر من ھذا البیان او لفظا ھذا معنا ۔ حضرت مفتیٔ اعظم مکہ معظمہ مولٰنا جمال بن عبد اللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ کہ سندِ حدیث وفقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں۔ اور اپنے زمانہ مبارک میں وہی مفتیٔ حنفیہ تھے۔ اوس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفتاء ہوا تھا۔ حضرت ممدوح قدس سرہ نے علمائے ربانی کی جو شان ہے۔ اوس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرما دیا کہ العلم امانۃ فی اعناق العلماء واللہ تعالٰی اعلم۔ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے واللہ تعالٰے اعلم یعنی کچھ جواب عطا نہ فرمایا حنفیہ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا۔ کہ حضرت ممدوح قدس سرہ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا۔ جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے۔ حضرت مولینا سید اسمٰعیل افندی نے تقریب فرمائی۔ کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے۔ حضرت مفتی حنفیہ نہایت کرم واکرام سے ملے۔ اور بہت دیر تک بفضلہ تعالٰے علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی۔ ان تمام حضرات علماء کے مدائح وقبول کیسے مؤید جلیل ہوئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ **مؤید چہارم**۔ اب کہ کفل الفقیہ دوبارہ مع ترجمہ چھپا۔ مولوی گنگوہی صاحب کا فتوٰے نظر پڑا۔ اوس کی طرف توجہ کی۔ اور ساتھ ہی چاہا۔ کہ فتوائے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہو جائے۔ خیال تھا۔ کہ مباحث تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں۔ غایت درجہ چھ ورق بس ہونگے۔ مگر فیضِ قدیر سے افاضۂ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی۔ اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جز کا رسالہ ہو گیا جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ لگا نہ رکھا۔ یہ بحمد اللہ تعالٰے اور بھی قوی تر مؤید عظیم ہوا۔ رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں۔ اور اوسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذی رائے حضرات موافقت فرمائیں۔ دوسری یہ کہ خلاف کرنیوالوں کی انتہائی کوششیں سُن لی جائیں اور باطل وبے اثر ثابت ہوں۔ یہ پہلی صورت سے بھی اقوٰے ہے۔ کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کر کے ناکام رہیں واضح ہو جاتا ہے۔ کہ بحمد اللہ تعالٰے مسئلہ حق ہے۔ اور خلاف کی طرف راہ مسدود۔ بفضلہ تعالٰے اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظِ وافی پایا۔ بالجملہ جہانتک نظر کی جاتی ہے۔ آسمان فیض مصطفٰے صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے۔ وللہ الحمد باایں ہمہ حاشا نہ فقیر مجتہد ہے

Marfat.com

نہ ائمۂ مجتہدین کے ادنٰے غلاموں کا پاسنگ اونکی خاکِ نعل کے برابر بھی مُنہ نہیں رکھتا۔ نہ معاذ اللہ شرعِ الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اوس فتوے اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہدُ المقل ہے۔ یعنی ایک بینوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔ اگر حق ہے۔ تو محض میرے مولٰے پھر اوس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم کا کرم ہے اور اوسی کی وجہ کریم کے لئے حمد ہے۔ اور اوس کے فضل سے امید ہے کہ انشاء اللہ الکریم ضرور حق ہے۔ اوس کے گھر کی برکات دلکشاد اوس کے حبیب صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم کے کرم جانفزاء نے اپنے گدائے بیقدر پر یہ فیضان کیئے ہیں۔ ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دِن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کردینا۔ پھر اوس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ اوسے پسند فرمایا۔ یہ بفضلہٖ عزوجل سب آثارِ قبول ہیں۔ اور اگر شاید یہاں علم الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی۔ نہ اُن علمائے کرام بلد اللہ الحرام کی۔ تو میں اپنے ربّ عزوجل کی طرف انابت کرتا۔ اور ہر مسئلہ میں اوسپر اعتقاد رکھتا ہوں جو اوس کے نزدیک حق ہے۔ اور وُہ کہتا ہوں جو میرے امام اعظم کے امام اعظم حضور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم عنہ نے فرمایا فان یك صوابا فمن الله تعالٰی وان یك خطأ فمنّی ومن الشّیطان واللّٰہُ ورسوله بریئان واقول کما قال ابونا آدم علٰی نبیّنا الکریم وعلیه افضل الصّلوٰة والتّسلیم ربّنا ظلمنا انفسنا وان لّم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین اللّٰھم انّك تعلم سرّی وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم ما نفسی فاغفرلی ذنوبی وصلّی اللہ تعالٰی علٰی سیّدنا ومولٰنا محمّد وآله وصحبه وابنه وحزبه وبارك وسلّم ابدا ابدا وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔ سبحٰنك اللّٰھم وبحمدك اشهد ان لّا اله الّا انت استغفرك واتوب الیك قاله الفقیر احمد رضا القادری البرکاتی البریلوی غفر اللہ تعالٰی له ولوالدیه وحقّق امله واصلح عمله والحمد للہ والصّلوٰة والسّلام علٰی مصطفاہ اٰخر کل کلامه اوّله آمین۔

اعلان حضور اعلیٰحضرت احمد رضا خانصاحب رح کی تمام تصنیفات و دیگر ہر قسم کی علمی ادبی تاریخی و مذہبی مطبوعات

ملنے کا پتہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب رح لاہور

Marfat.com

Marfat.com

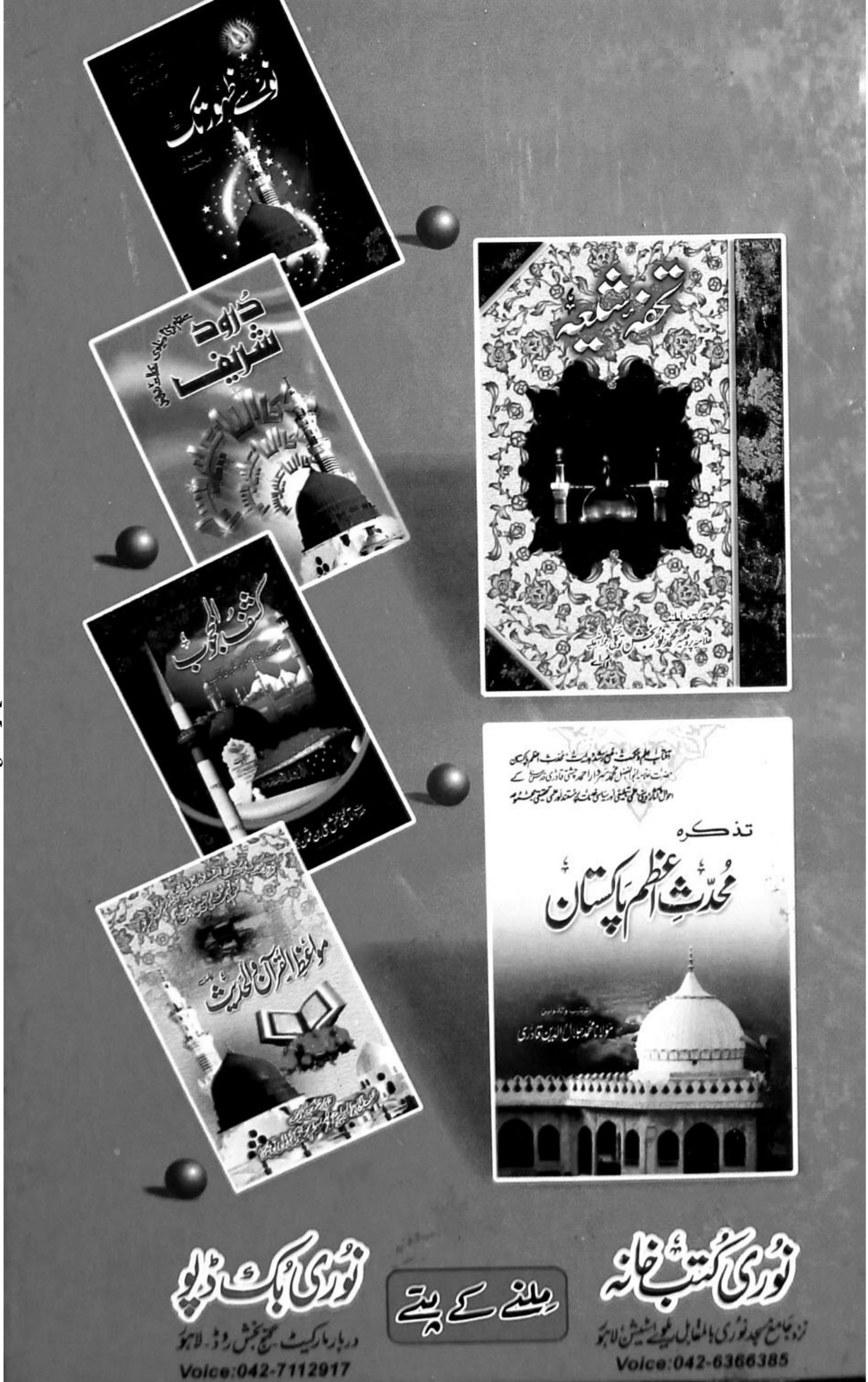

نور سے ظہور تک
درود شریف
کشف المحجوب
مواعظ القرآن والحدیث
تحفہ شیعہ
تذکرہ
محدثِ اعظم پاکستان
مولانا محمد جلال الدین قادری
ملنے کے پتے
نوری کتب خانہ
نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
Voice:042-6366385
نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ۔ لاہور
Voice:042-7112917

Marfat.com

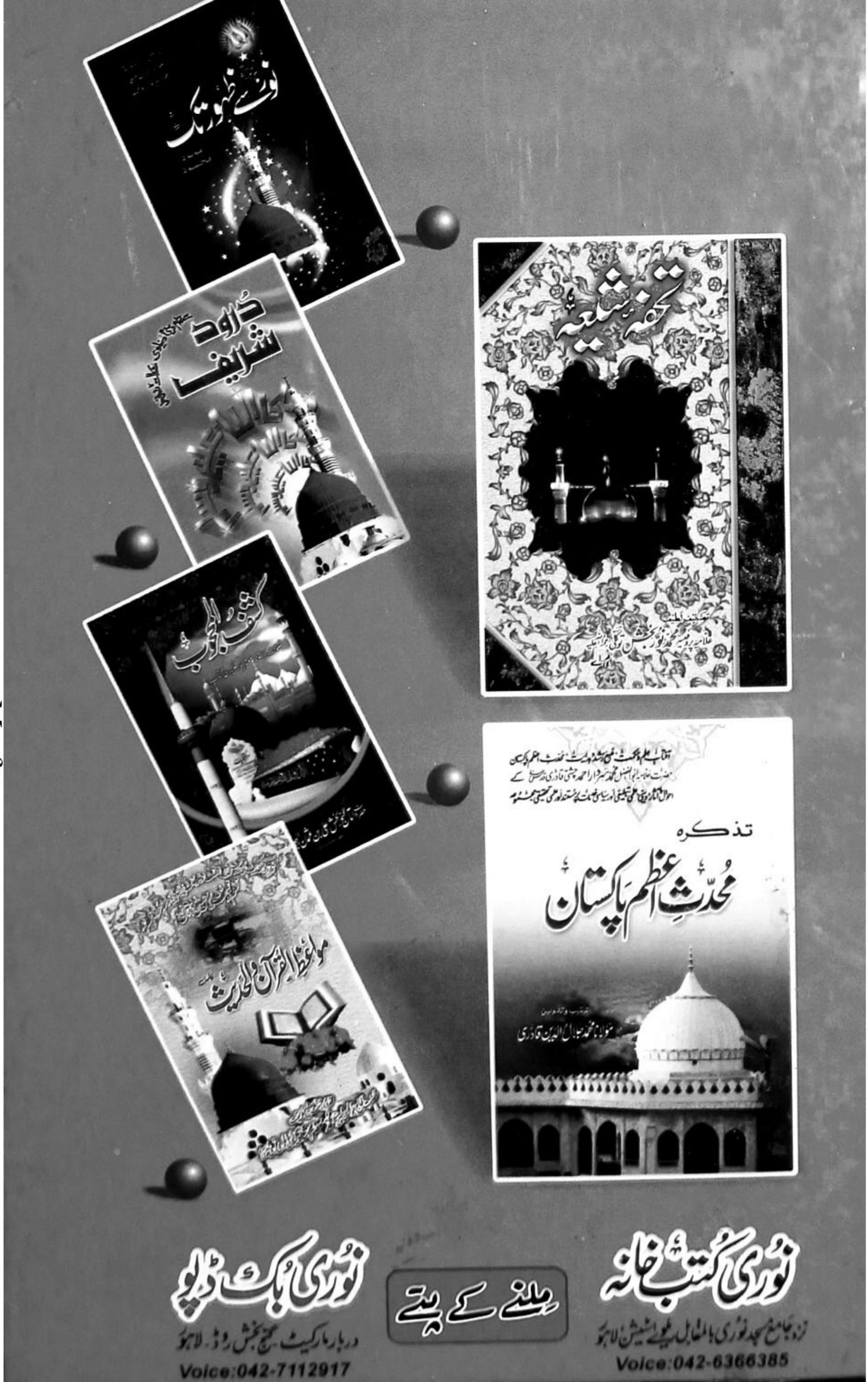

نور سے ظہور تک
درود شریف
کشف المحجوب
مواعظ القرآن والحدیث
تحفہ شیعہ
تذکرہ
محدثِ اعظم پاکستان
مولانا محمد جلال الدین قادری
ملنے کے پتے
نوری کتب خانہ
نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
Voice:042-6366385
نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ۔ لاہور
Voice:042-7112917

Marfat.com

ہر ماہر بنکار کی اہم ضرورت

بلا سود بینکاری

کا شرعی طریق کار



علامہ مولانا شاہ محمد احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ